چوٹ پر چوٹ
اشتیاق احمد
Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۲۲

چوٹ پر چوٹ

اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ چوٹ پر چوٹ

طبع اوّل ـــــ یکم جنوری ۱۹۹۴ء

طابع ـــــ اِشتیاق احمد

کتابت ـــــ سعید نامدار

سرورق ـــــ طاہر ایس ملک

قانونی مشیر ـــــ اعجاز احمد ایڈووکیٹ

مطبع ـــــ عظیم علیم پرنٹرز

قیمت ـــــ دس روپے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ آقائے نامدار حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خوان پر کھاتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انتقال فرمایا۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف ، جلد سوم

صفحہ نمبر ۵۹ ، حدیث نمبر ۱۲۸

دو باتیں

السلام علیکم! "چوٹ پر چوٹ" آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کا یہ
مطلب نہیں کہ آپ کے ہاتھ میں چوٹ پر چوٹ ہے، خدا
آپ کے ہاتھوں کو محفوظ رکھے، ان سے پکڑ کر ہی تو آخر آپ
ناول چوٹ پر چوٹ پڑھیں گے۔ گذشتہ ناولوں کے خطوط
ابھی تک موصول ہو رہے ہیں، ایک تانتا ہے جو ٹوٹنے کا نام نہیں
لیتا، تانتا ٹوٹے نہ ٹوٹے، آپ کو اس سے کیا، ہزاروں خطوط کے جوابات
دینا آپ کا کام تو ہے نہیں، آپ کیوں فکر کرنے لگے، مجھے ڈر
لگنے لگا ہے کہ کہیں خطوط کے ڈھیر میں میں چھپ نہ جاؤں، اچھا
تو آپ ڈھونڈتے پھریں گے کہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا، اچھا بھلا
ہر ماہ چار ناول لکھ کر شائع کر دیتا تھا اور پرانے ناول بھی.....
یہ بھی ہو سکتا ہے، مجھے تلاش کرتے کرتے آپ خود کھو جائیں،
اور یہ صورتحال انتہائی نازک ہو گی، خدا وہ وقت نہ لائے.....
آپ خود سمجھدار ہیں، لہٰذا دو باتیں ختم! صرف اس ناول
کی حد تک ---

اشتیاق

نیلے رنگ کی ڈبیا

محمود اور فاروق اپنی تجربہ گاہ میں تھے اور ارد گرد.....
کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ کمرے کے
ایک کونے میں ان کی بلی سومی بیٹھی انہیں پیار بھرے
انداز میں گھور رہی تھی۔ فرزانہ اس وقت گھر میں
نہیں تھی، ورنہ وہ بھی ان کے ساتھ یہاں موجود ہوتی،
وہ اپنی سہیلی کی سالگرہ پارٹی میں گئی ہوئی تھی۔

تجربہ گاہ کی آوازیں کیچ کرنے والی مشین پر کبھی
کبھار ادھر ادھر کی کوئی بات سنائی دے جاتی جسے وہ
غور سے سنتے اور کام کی بات نہ پا کر پھر اپنی باتوں
میں مصروف ہو جاتے۔ اس وقت بھی فاروق کہہ رہا تھا:
"اگر ہماری سومی کی چار کی بجائے آٹھ ٹانگیں
ہوتیں تو یہ کس قدر تیز دوڑتی؟"
"شاید اس صورت میں بھی یہ اتنا ہی تیز دوڑتی،"

اور ہاں، ایسی صورت میں ہماری بھی دو دو کی بجائے
چار چار ٹانگیں ہوتیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ارے باپ رے! چار ٹانگوں والے آدمی، یہ تو
بہت عجیب لگتا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"میں اس وقت کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" محمود نے اس
کے جملے کی طرف توجہ دیے بغیر سوچ میں گم انداز
میں کہا:

"چلو! جو تم سوچ رہے ہو، وہ بتا دو، میں اتنا کنجوس
نہیں کہ تمہاری سوچ کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دے
سکوں۔"

"کبھی تو کوئی جملہ بغیر چھل بل کے بول دیا کرو۔"

"اچھا تو تمہارے خیال میں میرا جملہ چھل بل والا ہے،
حیرت ہے، مجھے تو ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی
ہاں تو تم کیا سوچ رہے تھے؟"

"یہ کہ آخر فرزانہ کی سہیلیوں کی ہی کیوں پارٹیوں پہ
پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں، ہمارے دوستوں کو کیا ہو گیا
ہے۔"

"بھلا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جس پر سوچ کر
وقت ضائع کیا جائے، بھئی ہمارے کسی دوست کی

سالگرہ کی تاریخ آئے گی تو وہ سالگرہ منائے گا نا، اب
زبردستی تو کوئی منانے سے رہا۔" فاروق نے جھلا کر کہا

"ذرا یاد تو کرو، پورا ایک سال گذر گیا ہے، کیا ہم
کسی دوست کی سالگرہ میں گئے ہیں، جب کہ فرزانہ
چھ سات مرتبہ جا چکی ہے۔"

"اوہو! تم ٹھیک کہہ رہے ہو، واقعی یہ بات ہے،
خیر ہم ابھی اپنے کمرے میں جا کر پچھلے سال کی ڈائری
دیکھیں گے اور اس طرح ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ پچھلے
سال ہم کس کس دوست کی سالگرہ پارٹی میں جا چکے
ہیں، پھر ہم انہیں فون کریں گے اور وجہ معلوم کریں
گے کہ اس سال انہوں نے اپنی اپنی سالگرہ کیوں نہیں
منائی اور منائی تھی تو ہمیں کیوں نہیں بلایا گیا؟"

"گویا اب ہم زبردستی سالگرہ کی دعوتیں وصول کریں
گے۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں! بہت لطف رہے گا۔" محمود نے خوش ہو
کر کہا

"ضروری نہیں کہ لطف رہے گا، ہو سکتا ہے، بدمزگی
پیدا ہو جائے، کیونکہ زبردستی کی سالگرہ اتنی پرلطف ثابت
نہیں ہوتی۔" فاروق بولا۔

"کم از کم ہم اپنے دوستوں سے یہ ضرور پوچھیں گے
کہ انہوں نے اس سال سالگرہ کیوں نہیں منائی۔" محمود
نے ضد پر اڑتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے، پوچھ لینا، میرے پیچھے کیوں پڑ
گئے ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمہارے پیچھے پڑ کر میں نے ہمیشہ ہی نقصان اٹھایا ہے،
لہذا میں کیوں پڑنے لگا تمہارے پیچھے اور....."

محمود کا جملہ درمیان میں رہ گیا، اسی وقت مشین پر
اشارہ موصول ہوا تھا اور پھر ایک آواز لہرائی تھی:

"ٹھیک ہے، تم دعوت نامہ لے کر وہاں جاؤ گے اور
نیلے رنگ کی یہ ڈبیا تحفے کے طور پر لڑکی کے ہاتھ میں
تھما دو گے، لڑکی تمہیں اپنے والد کا کوئی دوست خیال
کرتے ہوئے تحفے کو دوسرے تحفوں میں رکھ دے گی
اور بس! اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا، نظر
بچا کر وہاں سے نکل آنا۔"

"لیکن اگر میرے نکل آنے سے پہلے۔" دوسری آواز
سنائی دی جملہ نامکمل چھوڑ دیا گیا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہوگا، وقت کا حساب پہلے ہی لگا لیا
گیا ہے۔" پہلی آواز نے کہا۔

"بہت خوب! نیلی ڈبیا میرے حوالے کر دو، اور دعوتی
کارڈ بھی، کہیں میں لیٹ نہ ہو جاؤں۔"

"ٹھیک ہے، تم فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

"روانہ کیسے ہو جاؤں، پتا تو تم نے بتایا ہی نہیں۔"

"تنویر منزل، نارنگ روڈ، مشہور جگہ ہے۔"

"بہت خوب! میں چلا۔"

آوازیں آنی بند ہو گئیں، ادھر وہ دونوں گہری سوچ میں
گم تھے، آخر فاروق نے کہا:

"محمود! اس فریکوئنسی کو نوٹ کر لو، ہم پھر بعد میں ان
لوگوں کی باتیں سننے کی کوشش کریں گے..... خدا جانے یہ
کون لوگ ہیں اور کیا گڑبڑ کرنے جا رہے ہیں۔"

"اور میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" محمود نے بے چینی کے
عالم میں کہا۔

"یہ تمہاری عادت ہے، ہمیشہ کچھ اور سوچنے لگتے ہو، حالانکہ
میں نے کتنی بار منع کیا ہے کہ کچھ اور نہ سوچا کرو۔" فاروق
نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں، تنویر منزل نام سنا ہوا لگتا ہے۔"

"اوہ ہاں..... مجھے بھی یہی محسوس ہوا ہے، آؤ امی
سے چل کر پوچھیں۔ شاید انہیں کسی تنویر منزل کے

بارے میں کچھ معلوم ہو۔"

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ سومی بھی ان کے ساتھ ہی اٹھی۔ باہر نکل کر انہوں نے تجربہ گاہ کو تالہ لگایا اور صحن کی طرف بڑھے ہی تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

⦿

انسپکٹر جمشید کے سامنے ان کی میز پر نیلے رنگ کی ایک ڈبیا رکھی تھی۔ سامنے والی کرسی پر ایک بہت موٹے جسم والا بوڑھا بیٹھا انہیں تک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے سیاہ رنگ کی ڈاڑھی تھی جس میں ایک بال بھی سفید نہیں تھا، حیرت کی بات تھی کہ اس عمر کو پہنچ کر بھی بوڑھے کا کوئی بال سفید نہیں تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے چپراسی بابا فضل نے آکر بتایا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی ان سے ملنا چاہتا ہے، انہوں نے اجازت دی تو وہ اندر داخل ہوا اور کچھ کہے بغیر کرسی پر بیٹھ گیا، پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ ڈبیا نکالی اور ان کے سامنے میز پر رکھ دی، منہ سے وہ اب بھی کچھ نہ

بولا تھا۔

انسپکٹر جمشید نے ایک نظر ڈبیا پر ڈالی اور پھر اس کی طرف دیکھا، لیکن وہ اس پر بھی کچھ نہ بولا، اکرام بھی حیرت زدہ انداز میں بوڑھے کو دیکھنے لگا۔ اس کا انداز واقعی پراسرار تھا۔ خدا جانے وہ کون تھا اور کیا چاہتا تھا اور میز پر پڑی ہوئی نیلے رنگ کی ڈبیا کیا بلا تھی۔ آخر جب کافی دیر گزر گئی اور بوڑھا پھر بھی کچھ نہ بولا تو انسپکٹر جمشید تنگ آگئے، انہوں نے کہا:

"میں اس قدر فارغ آدمی نہیں ہوں، آپ کو جو کچھ کہنا ہے فوراً کہیں۔"

"اس ڈبیا سے میرا پیچھا چھڑا دیں۔" آخر بوڑھے کے منہ سے پہلا جملہ نکلا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے، اکرام بھی حیران رہ گیا۔

"یہ ڈبیا مجھے ڈاک میں ملی تھی، ایک چھوٹے سے پارسل کی صورت میں، بھیجنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا تھا، میں نے اسے کھول کر دیکھنا چاہا۔ لیکن یہ کھلی نہیں، دو تین دوستوں کو دکھایا، انہوں نے بھی کوئی مشورہ نہیں دیا۔ ان میں سے ایک نے آپ سے ملنے کا مشورہ ضرور دیا چنانچہ میں یہاں چلا آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا اس ڈبیا میں کیا

ہے، یہ مجھے کس نے بھیجی ہے، کیوں بھیجی ہے، نہ ہی
یہ مجھ سے کھل سکی ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھا خاموش ہو گیا۔

"بات واقعی بہت عجیب اور پراسرار ہے، آپ کا نام
کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"مجھے امیر ارسلان کہتے ہیں۔"

"امیر ارسلان، سونے کے سب سے بڑے تاجر؟" انسپکٹر
جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" وہ بولا۔

انسپکٹر جمشید دم بخود رہ گئے۔ اس وقت ان کے سامنے
شہر کی ایک مشہور شخصیت بیٹھی تھی، وہ ملک کا سب سے
بڑا سونے کا بیوپاری تھا، جس کے بارے میں کوئی یہ نہیں
کہہ سکتا تھا کہ اس کے پاس کتنا سونا ہے، جس کی دولت
کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا اور لوگوں
کا خیال تھا، خود امیر ارسلان کو بھی یہ معلوم نہیں کہ اس کے
پاس کتنی دولت ہے اور وہ آدمی اس وقت ان کے سامنے
بیٹھا تھا، یہی نہیں، حکومت کے بہت ہی اہم آدمیوں
سے اس کے بہت گہرے تعلقات تھے، خود صدر مملکت
اس کی دعوتوں میں شریک ہوتے تھے، وزراء کی تو بات
ہی کیا تھی، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ امیر ارسلان کی کبھی

تصویر یہ اخبار میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس
وقت انسپکٹر جمشید اسے پہچان نہیں سکے تھے۔

"مجھے افسوس ہے جناب! میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"کوئی بات نہیں، ہاں تو آپ اس ڈبیا کے بارے میں
کیا کہتے ہیں۔"

"یہ ڈبیا آپ میرے پاس رہنے دیں، جس کاغذ پر یہ لپٹی
ہوئی تھی، اگر وہ کاغذ مل جائے تو اچھی بات ہے۔" انھوں
نے کہا

"یہ مجھے کل ملی تھی، اس وقت میں اپنے دفتر میں
موجود تھا، صاف ظاہر ہے، اس کے اوپر سے اترنے والا
کاغذ میں نے ردی کی ٹوکری میں ڈالا ہو گا، ٹوکری کی
صفائی ہر روز ہو جاتی ہے، اس لیے اس کاغذ کا ملنا تو
ممکن نظر نہیں آتا۔"

"خیر کوئی بات نہیں، میں اپنے سائنس دان دوست کو
دکھا کر معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ یہ کیا معاملہ
ہے۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں، اپنا کارڈ چھوڑے جا رہا ہوں، اگر
کوئی بات معلوم ہو تو مجھے فون کر دیں، ویسے یہ ڈبیا

جس کسی نے مجھے بھیجی ہے، میں اس کا نام ضرور معلوم کرنا
چاہتا ہوں۔"

"اس کی کوشش بھی کی جائے گی؟"

امیر ارسلان نے کارڈ میز پہ رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس
کے جانے کے بعد وہ ڈبیا کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے
یہ بالکل ایسی تھی جیسی شوقین سگریٹ رکھنے کے لیے
سنہری ڈبیاں استعمال کرتے ہیں۔ پھر اکرام کی طرف
بڑھاتے ہوئے بولے:

"میں تو کچھ سمجھا نہیں، ذرا تم دیکھو۔"

"بظاہر یہ ایک ٹین کی ڈبیا ہے، ہلکی اتنی ہے کہ معلوم
ہوتا ہے، اس کے اندر کچھ نہیں ہے، کہیں ایسا تو نہیں
کہ امیر ارسلان کے کسی دوست نے مذاق کیا ہو۔" اکرام نے
ڈبیا لے کر اسے بغور دیکھنے کے بعد کہا

"ہوں! تمہارا خیال بھی درست ہو سکتا ہے، خیر اس کا فیصلہ
پروفیسر داؤد ہی کریں گے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ڈبیا جیب میں
ڈال لی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابھی دفتر کا وقت ختم نہیں
ہوا تھا لیکن وہ اس وقت پروفیسر داؤد کے گھر جانے کا
پروگرام بنا چکے تھے، کیونکہ ڈبیا کی موجودگی انہیں پریشان کر رہی
تھی لیکن پروفیسر داؤد کی کوٹھی پہنچ کر انہیں مایوسی ہوئی،

کوٹھی میں ان کے ایک اسسٹنٹ کے سوا کوئی نہیں تھا، پہلے
انہوں نے سوچا کہ ڈبیا اسسٹنٹ کو دے جائیں لیکن پھر
کچھ خیال آنے پہ ڈبیا جیب میں رہنے دی۔ اسسٹنٹ نے
بتایا تھا کہ پروفیسر شائستہ کی کسی سہیلی کے ہاں سالگرہ پارٹی
میں گئے ہیں۔ اب انہیں یاد آیا، فرزانہ کو بھی کسی سالگرہ پارٹی
میں جانا تھا، بلاوا تو ان سب کو تھا، لیکن انسپکٹر جمشید نے
جانا پسند نہیں کیا تھا اور فرزانہ کو اکیلے ہی جانے کی اجازت
دے دی تھی۔

جونہی وہ گھر کے سامنے پہنچے، ان کی آنکھیں حیرت سے
پھیل گئیں، گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔

خوفناک دھماکا

فرزانہ نے نئے آنے والے کو حیرت بھری نظروں سے
دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننھا سا پیکٹ تھا۔ پیکٹ
پہ سبز رنگ کا کاغذ لپیٹا گیا تھا، لیکن یہ کوئی حیران ہونے
والی بات نہیں تھی، اسے تو حیرت اس آدمی کا چہرہ دیکھ
کر ہوئی تھی۔ اس نے سر پہ اونی مفلر لپیٹ رکھا تھا حالانکہ
شدید گرمی کے دن تھے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ
خان صاحب کی طرف بڑھا، اس نے ان سے ہاتھ ملایا اور
پھر تحفے کا پیکٹ میز پہ رکھے دوسرے تحفوں کے درمیان
رکھ دیا اور پھر ایک کرسی کی طرف بڑھ گیا۔ فرزانہ
اس کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتی، اگر اس نے سر پہ
مفلر نہ لپیٹ رکھا ہوتا۔

مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ فرزانہ اب
تک اپنی سہیلی فوزیہ خانم کے دائیں طرف کھڑی تھی۔ اس

نے جھک کر فوزیہ سے کہا:

"اس مفلر والے کو جانتی ہو؟"

فوزیہ نے ادھر دیکھا جدھر فرزانہ نے اشارہ کیا تھا اور
پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی:

"نہیں! میں نے اسے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔"

"خدا جانے اس نے مفلر کیوں لپیٹ رکھا ہے۔" فرزانہ
بولی۔

"مفلر.... اوہ ہاں واقعی، اتنی گرمی میں مفلر، یہ تو
عجیب بات ہے۔" فوزیہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ٹھہرو! میں اس کے بارے میں انکل سے پوچھتی ہوں۔"
فرزانہ نے کہا اور خان جاوید عثمانی کے پاس پہنچ گئی۔

"انکل! اس مفلر والے کا کیا نام ہے؟" نزدیک پہنچ کر
اس نے سرگوشی کی۔

"کیوں! کیا بات ہے؟" خان جاوید عثمانی نے حیران ہو
کر پوچھا۔

"مجھے حیرت ہے، اس نے اتنی گرمی میں مفلر کیوں لپیٹ
رکھا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"یہ بات عجیب ضرور ہے، لیکن ہم مہمان سے ایسی بات
نہیں پوچھ سکتے۔" خان جاوید بولے۔

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، ویسے ان کا نام کیا ہے؟"

"نام! بیٹی نام تو مجھے بھی نہیں معلوم، سچ تو یہ ہے کہ میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔"

"اوہ!" فرزانہ چونکی "یہ تو آپ ایک اور عجیب بات بتا رہے ہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے، آپ نے تمام مہمانوں کو کارڈ بھجوائے تھے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن آتے وقت مہمانوں سے کارڈ تو طلب نہیں کیے جاتے۔"

"اس کا مطلب ہے، یہ آدمی مہمانوں میں شامل نہیں۔" فرزانہ کا لہجہ فکر مند تھا۔

"ضروری نہیں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی مہمان نے اپنا کارڈ اس شخص کو دے دیا ہو۔" خان جاوید بولے۔

"ہاں! اس صورت میں تو یہ واقعی مہمان ثابت کر دے گا خود کو، ویسے انکل! معاف کیجیے گا، مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا ہے، میں اس آدمی کو ٹٹولنا چاہتی ہوں، کیا آپ کی اجازت ہے؟"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹی۔" انہوں نے کہا اور فرزانہ ان کے پاس سے ٹہلنے کے انداز میں مفلر والے کی طرف بڑھنے لگی، اتنی دیر میں فوزیہ مدم تالیاں بجانے اور کیک کاٹنے

کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ خان صاحب ہاتھ کا اشارہ کر کے سب لوگوں کو میز کے گرد جمع ہونے کا کہہ چکے تھے۔ سب تیزی سے اٹھے اور میز کی طرف بڑھے۔ ایسے میں فرزانہ کے لیے اس پہ نظر رکھنا مشکل ہو گیا۔ تاہم وہ لوگوں کے درمیان میں سے اسی سمت میں بڑھتی چلی گئی جس جگہ وہ بیٹھا تھا اور پھر جب وہ اس کی کرسی کے نزدیک پہنچی تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ کرسی پہ موجود نہیں تھا۔ میز کی طرف مڑنے سے پہلے اس کی نظر بیرونی دروازے کی طرف اٹھ گئی، اس نے دیکھا مفلر والا تیزی سے نکلا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بھی دروازے کی طرف لپکی اور اس سے پہلے دروازے میں سے نکل گئی، پھر تیزی سے مڑی اور اس طرح چونک کر بولی جیسے ابھی ابھی اسے دیکھا ہو۔

"ارے! آپ جا رہے ہیں جناب، لیکن پارٹی تو ابھی شروع ہوئی ہے۔"

"جی..... جی ہاں، مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔"

"ایسا بھی کیا، چند منٹ تو رکیے، ابھی ابھی تو آپ آئے تھے، آکر بیٹھے بھی نہیں کہ چل بھی دیے، خان صاحب کیا سوچیں گے، کیا آپ صرف تحفہ دینے آئے تھے۔"

"نہیں نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں، کام ہی کچھ ایسا

ضروری یاد آگیا ہے۔"

"کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں، آئیے۔" فرزانہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اندر کی طرف کھینچنے لگی، مفلر والا گھبرا گیا، اس نے جلدی سے کہا:

"ارے ارے! یہ آپ کیا کر رہی ہیں، چلیے میں چلتا ہوں!" یہ کہتے ہوئے اس نے فرزانہ کے ہاتھ کو ایک زور دار جھٹکا دیا اور باہر کی طرف بھاگا۔ فرزانہ کو ایسی امید نہیں تھی، فوری طور پر اسے خیال آیا کہ کہیں وہ اس کے ساتھ الجھ کر غلطی نہ کر رہی ہو۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اندر کی طرف دوڑی اور تحفوں والی میز پر پہنچ گئی۔ اس نے تمام تحفوں پر تیزی سے نظریں دوڑائیں لیکن مفلر والے کا سبز کاغذ والا پیکیٹ کہیں نظر نہ آیا وہ بوکھلا گئی، اس نے جلدی جلدی کھلونے ادھر ادھر کیے، اچانک ہی وہ پیکیٹ اسے نظر آگیا۔ تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے اس نے پیکیٹ اچک لیا اور باہر کی طرف دوڑی کوٹھی کے دائیں طرف ایک کھلا میدان تھا۔ فرزانہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، باہر نکلتے ہی پیکیٹ پوری طاقت سے میدان کی طرف اچھال دیا، وہ کافی دور جا کر گرا اور فرزانہ وہیں کھڑی اسے خوفزدہ نظروں سے گھورنے لگی۔ اب آہستہ آہستہ وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی چلی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بالکل پرسکون ہو گئی، پیکیٹ

ابھی تک جوں کا توں پڑا تھا۔ اس طرح کھڑے کھڑے کافی دیر گذر گئی اور پھر اس نے فاروق کی آواز سنی:

"یہ پارٹی میں شریک ہونے کا کون سا طریقہ ہے؟"

وہ چونک پڑی، محمود اور فاروق اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"تم دونوں یہاں کیسے؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہم تو تقریباً دس منٹ پہلے یہاں پہنچ گئے تھے لیکن اسی وقت وہ مفلر والا تم سے ہاتھ چھڑا کر نکل بھاگا، اسی لیے ہم اس کے تعاقب میں نکل گئے کہ یہاں کے حالات تو تم سنبھال ہی لوگی۔" محمود نے کہا۔

"ارے ارے..... تو تم مفلر والے کے تعاقب میں گئے تھے۔ تب تو تم نے کمال کر دیا، میں تمہیں اس حد تک تیز طرار اور عقل مند خیال نہیں کرتی تھی۔" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم ہمیں اس حد تک تیز طرار نہیں سمجھتی تھیں..... خیر اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ کس حد تک سمجھتی تھیں تاکہ اپنے بارے میں کچھ ہمیں بھی اندازے ہو جائیں۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا

"سوال یہ ہے کہ تم یہاں کس طرح پہنچ گئے۔"

"اس ڈبیا کا کیا بنا؟" محمود نے اس کے جملے پر دھیان دیے بغیر کہا

"ہائیں ہائیں! کیا تم دونوں کے جسموں میں آج کسی جادوگر کی
روح گھس گئی ہے، تم تو آج میرے بھی کان کاٹ رہے
فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"بالکل غلط! ہم کان کترے نہیں ہیں۔" فاروق تیز آواز میں
بولا

"فوراً بتاؤ، تم یہاں کس طرح پہنچ گئے، کس ڈبیا کی بات کر
رہے ہو اور ماجرا کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"بہتر ہوگا، تم ہی ساری بات بتا دو، اس طرح ہمیں حالات
سمجھنے میں مدد ملے گی۔" محمود نے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا، بات تم بتاؤ گے۔" فرزانہ نے پاؤں
کر کہا۔

"خیر تو سنو، بات صرف اتنی سی ہے کہ۔"

محمود نے ساری بات اسے بتا دی اور پھر اس نے انھ
آخر فرزانہ خوش ہو کر بولی:

"تم نے جو شاندار کارنامہ انجام دیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس
مفلر والے کا تعاقب کر ڈالا۔"

"تم اسے شاندار کارنامہ کہتی ہو تو کہہ لو، ہم تمہیں مجبو
نہیں کرتے۔" محمود مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"مطلب یہ کہ ہم نے اس کا تعاقب ضرور کیا تھا، اب یہ
اور بات ہے کہ ہم تعاقب میں ناکام ہو گئے ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ — یہ تم نے تعاقب کیا ہے۔" فرزانہ نے
منہ بنایا

"ہم رکشے کے پیچھے پیدل نہیں دوڑ سکتے تھے، ورنہ
اس کے گھر تک ضرور دوڑتے چلے جاتے۔" فاروق نے
منہ بنایا۔

"کیا تمہاری سہیلی کے والد کا نام "تنویر صاحب ہے۔" محمود
نے کچھ خیال آنے پہ پوچھا۔

"نہیں، میری سہیلی فوزیہ کے بھائی کا نام تنویر تھا.....
وہ فوت ہو گئے تھے، کوٹھی کا نام تنویر منزل ان کی یاد
میں رکھا گیا ہے۔" فرزانہ نے بتایا۔

"تو پھر فوزیہ کے والد کا نام کیا ہے؟"

"خان جاوید عثمانی۔" فرزانہ نے بتایا۔

"بہت بارعب نام ہے، یہ کرتے کیا ہیں؟"

"سونے کے تاجر ہیں۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت دروازے کی طرف سے آنے والی ایک آواز
نے انھیں چونکا دیا۔

"فرزانہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس آواز کے ساتھ

ہی ایک خوفناک دھماکا ہوا۔

دروازے کا کھلا ہونا عجیب بات تھی، انہیں خطرے کا
احساس ہوا، لیکن احتیاط کا موقع نہیں تھا، بے دھڑک
اندر گھس گئے۔ صحن بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ میز پر چائے
کے برتن جوں کے توں پڑے تھے، چائے دانی پر ٹی کوزی
ڈھکی ہوئی تھی، جس سے صاف ظاہر تھا کہ ابھی صرف
چند منٹ پہلے تک گھر میں بالکل خیریت تھی اور بیگم جمشید
معمول کے مطابق چائے میز پر لگا رہی تھیں۔ انہوں نے
ایک تیز نظر ادھر سے ادھر ڈالی اور پھر فوراً سمجھ گئے کہ
گڑبڑ خود ان کے کمرے میں ہے۔ وہ بلا کی تیزی سے
آگے بڑھے اور دروازے کے دونوں پٹ ایک جھٹکے سے
کھول دیے اور پھر دم بخود رہ گئے، بیگم جمشید فرش پر
چت پڑی تھیں اور کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ
تیر کی طرح ان پر جھکے، لیکن ساتھ ہی کوئی چیز
کی کنپٹی سے آلگی:

"خبردار! حرکت کی اور گولی کھوپڑی کے پار ہوئی۔" پھٹی
پھٹی سی ایک آواز سنائی دی۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر
کہا، انہوں نے پستول کی نالی کنپٹی پہ صاف محسوس
کی تھی۔

"وہ نیلی ڈبیا، جو تم تک پہنچ گئی، میرے حوالے کر دو،
اگر تم نے کوئی چالاکی کھیلنے کی کوشش کی تو میں گولی مار دوں
گا اور ڈبیا لے کر یہاں سے غائب ہو جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے، میں ڈبیا دیتا ہوں۔" انہوں نے کہا کیونکہ
وہ فوری طور پہ بیگم جمشید کی طرف توجہ دینا چاہتے تھے۔ ساتھ
ہی انہوں نے جیب کی طرف ہاتھ لے جانا چاہا۔

"خبردار، تم صرف یہ بتا دو کہ ڈبیا کون سی جیب میں ہے
نکال میں خود لوں گا۔"

"کوٹ کی دائیں جیب میں ہے۔" وہ بولے۔

"ٹھیک ہے، تم بے حس و حرکت کھڑے رہو۔" پستول والے
نے کہا اور دوسرے ہی لمحے ایک ہاتھ ان کی جیب میں رینگ
گیا، وہ ساکت کھڑے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے ہاتھ واپس
نکلتے محسوس کیا، ڈبیا ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی، لیکن وہ کچھ
نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک پستول کا دستہ ان کے سر کے

پچھلے حصہ پہ لگا اور وہ تیورا کر گرے، جب انہیں ہوش آیا تو بیگم جمشید ان پر جھکی ہوئی تھیں اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ آنکھ کھلتے ہی انہوں نے ہاتھ سر کے پیچھے لیجا کر دیکھا، سر پھٹا نہیں تھا، البتہ ایک بڑا سا گومڑ ضرور ابھر آیا تھا۔ گومڑ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا، وہ اٹھ بیٹھے، بیگم کو درست حالت میں دیکھ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

"یہ سب کیا تھا، محمود اور فاروق کہاں ہیں؟" انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا، فرزانہ کے بارے میں انہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ کسی سالگرہ پارٹی میں گئی تھی۔

"میں چائے کے برتن میز پہ لگا رہی تھی، محمود اور فاروق اپنی تجربہ گاہ میں تھے، اچانک وہ دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے کبھی کسی تنویر منزل کے بارے میں سنا ہے، تنویر منزل کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے، کیونکہ فرزانہ نے اپنی سہیلی کا پتا یہی بتایا تھا، میں نے انہیں فوراً ہی بتا دیا کہ فرزانہ تنویر منزل ہی گئی ہے، یہ سنتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوئے، انہوں نے کچھ بھی نہ بتایا، میں ارے ارے کرتی دروازے کی طرف دوڑی، لیکن اتنی دیر میں وہ جا بھی چکے تھے، اسی وقت ایک

چھوٹے قد کا آدمی اندر آگھسا، اس کے ہاتھ میں پستول تھا، وہ مجھے دھکیلتا ہوا اس کمرے میں لے آیا اور میرے سر پہ پستول کا دستہ دے مارا اور میں بیہوش ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو آپ کو بھی اپنے قریب بیہوش پڑے پایا، خدا جانے وہ کون تھا، کیا چاہتا تھا اور محمود اور فاروق تنویر منزل کی طرف کیوں دوڑ گئے، ارے ہاں، آپ کس طرح بیہوش ہوئے؟" بیگم جمشید آخر میں چونک کر بولیں۔

"میں جب یہاں پہنچا تو دروازہ چوپٹ کھلا تھا، اندر داخل ہوا تو تم بیہوش پڑی ملیں، اسی وقت کسی نے میری کنپٹی پہ پستول کی نالی رکھ دی اور پھر میری جیب سے نیلے رنگ کی ڈبیا نکال کر سر پہ پستول کا دستہ مار کر غائب ہو گیا۔"

"نیلی ڈبیا! آپ تو جیب میں کوئی نیلی ڈبیا نہیں رکھتے۔"

"ہاں وہ نیلی ڈبیا مجھے کسی سے ملی تھی، ابھی تک مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس ڈبیا میں تھا کیا، صاف ظاہر ہے کہ دراصل وہ چھوٹے قد کا آدمی وہ ڈبیا ہی حاصل کرنے کے لیے یہاں آیا تھا۔"

"لیکن اسے کس طرح معلوم ہو گیا کہ ڈبیا آپ کی جیب میں ہے۔" بیگم جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں خود اس بات پہ حیران ہوں، سوچ سوچ کر اسی
نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ جس شخص نے مجھے دفتر آ کر
وہ ڈبیا دی تھی، اس کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ اس طرح
تعاقب کرنے والے کو یہ معلوم ہو گیا کہ ڈبیا مجھے دی
گئی ہے، بس تعاقب کرنے والا سیدھا یہاں آ گیا، اسے
ضرور میرے بارے میں سب کچھ معلوم تھا، یہ تک کہ میں
کس وقت واپس آتا ہوں۔"
"آخر وہ ڈبیا کیا بلا تھی۔" بیگم جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔
"یہ تو ابھی مجھے معلوم کرنا تھا، خیر دیکھا جائیگا، کیا تم اس کا
چہرہ دیکھ سکی تھیں؟" انہوں نے پوچھا۔
"صرف ایک نظر، اس کے چہرے کا رنگ زرد تھا جیسے برسوں
کا بیمار ہو، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، ناک موٹی
پکوڑا سی تھی، کندھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے۔" انہوں نے بتایا۔
انسپکٹر جمشید نے اس حلیے پہ چند سیکنڈ تک غور کیا اور
پھر اٹھتے ہوئے بولے:
"اب مجھے تنویر منزل جانا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ محمود اور فاروق
کو کیا بات معلوم ہوئی تھی۔"
"لیکن آپ کی چوٹ ......" بیگم جمشید بولیں
"چوٹ کی تم فکر نہ کرو، میں ٹھیک ہوں۔"

انہوں نے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف چل پڑے،
ان کے باہر نکلتے ہی بیگم جمشید نے دروازہ اندر سے بند کر
لیا۔ جونہی وہ مڑیں، فون کی گھنٹی بجی، انہوں نے تیزی سے
آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا تو اکرام بوکھلائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا
"سر! تنویر منزل میں ایک خوفناک دھماکا ہوا ہے۔"
"کیا!!!" بیگم جمشید چلائیں اور اکرام کو معلوم ہو گیا کہ فون
کا ریسیور انسپکٹر جمشید نے نہیں اٹھایا۔
دوسری طرف بیگم جمشید کو یوں محسوس ہوا جیسے سارے
جسم کی جان یک دم نکل گئی۔

فائل غائب تھی

خان جاوید عثمانی کی کوٹھی کے سامنے جو بڑا سا میدان تھا، اب وہاں ایک گہرا گڑھا نمودار ہو چکا تھا۔ گرد کے ایک گہرے بادل نے کوٹھی سمیت ارد گرد کے علاقے کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور بادل سے باہر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا عالم ہے۔ فائر بریگیڈ اور پولیس کو فون کر دیا گیا تھا۔ دھماکے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ خان جاوید عثمانی بھی سونے کے بہت بڑے تاجر تھے اور امیر ارسلان کے بعد ان کا ہی نمبر آتا تھا۔ ان کے تعلقات بھی بڑے بڑے سرکاری افسروں سے تھے۔ اس لیے ان کی کوٹھی میں دھماکے کی خبر سن کر سبھی دوڑ پڑے تھے ان میں محکمہ سراغرسانی کے افسر بھی تھے۔

گرد کے بادل چھٹنے تک کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کیا ہوا اور جب گرد کا بادل چھٹا تو معلوم ہوا خان جاوید

کی کوٹھی بالکل محفوظ تھی، البتہ سامنے کا میدان ایک گڑھے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ خان جاوید اور دوسرے کوٹھی کے دروازے پر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے دیکھ رہے تھے، وہ سب گرد میں اٹ چکے تھے اور بھوت معلوم ہوتے تھے۔ ان کے سامنے محمود، فاروق اور فرزانہ بھی کھڑے تھے۔ یہ خان جاوید ہی تھے جنہوں نے اندر سے نکل کر فرزانہ سے پوچھا تھا کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی دھماکا ہوا تھا۔

"اُف خدا! یہ کیا تھا؟" خان جاوید نے تھرتھراتی آواز میں کہا

"یہ بم تھا، اب یہ اور بات ہے کہ کوٹھی کے اندر پھٹنے کی بجائے باہر پھٹا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کوٹھی کے اندر ..... کیا مطلب؟" خان جاوید کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی بوکھلا کر فرزانہ کو دیکھنے لگے۔

"مفلر والا جو تحفہ لایا تھا، میں اسے تحفوں کے درمیان سے اٹھا لائی تھی اور اس میدان میں پھینک دیا تھا، کوشش یہ کی تھی کہ کوٹھی سے زیادہ سے زیادہ دور پھینک دوں۔" فرزانہ نے بتایا

"اوہ ..... اوہ" کی حیرت زدہ آوازیں ابھریں، خاص طور

پر خان جاوید کا بُرا حال تھا۔ ان کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی، رنگ زرد پڑ گیا۔ اگر فرزانہ تحفے کے اس پیکٹ کو نکال کر باہر نہ پھینک دیتی تو اس وقت وہ سب ختم ہو چکے ہوتے۔

تھوڑی دیر بعد تمام لوگ کوٹھی کے اندر صحن میں جمع ہو گئے۔ پولیس اور دوسرے آفیسر بھی وہیں آ گئے تھے انسپکٹر جمشید ذرا دیر سے پہنچے تھے، لیکن فرزانہ نے ابھی تفصیل سنانی شروع ہی کی تھی کہ وہ پہنچ گئے۔ فرزانہ نے مفلر والے کے بارے میں تفصیل سے سنایا۔ اس کے خاموش ہونے پر سب سوچ میں ڈوب گئے۔ اس نتیجے پر تو سب لوگ فوراً ہی پہنچ گئے تھے کہ کوئی سنگ دل پوری پوری کوٹھی کو بم سے اڑا دینا چاہتا تھا اور ظاہر ہے، وہ خان جاوید اور ان کے گھر کے افراد کو ختم کرنا چاہتا تھا، لیکن اس نے اتنی بھی پروا نہیں کی تھی کہ ان کے ساتھ نہ جانے کتنے دوسرے بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ لیکن جو بات انسپکٹر جمشید کو معلوم تھی، وہ ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا، یہ صرف وہ جانتے تھے کہ وہ جو کوئی بھی ہے، سونے کے تاجروں کے پیچھے پڑا ہوا ہے، کیوں پڑا ہوا ہے، یہ ابھی انہیں معلوم نہ تھا۔

اخباری رپورٹر۔۔۔۔۔۔ فرزانہ کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ نوٹ کرتے چلے گئے تھے۔ دوسرے دن کے اخبارات نے شہر میں ہلچل سی مچا دی۔ ابھی انسپکٹر جمشید دفتر میں پہنچے ہی تھے کہ امیر ارسلان ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"انسپکٹر صاحب! میں بہت پریشان ہوں، آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"میں خود حیران ہوں، اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کو جو بم بذریعہ ڈاک بھیجا گیا، وہ کسی وجہ سے پھٹ نہیں سکا، ادھر خان جاوید عثمانی کے گھر میں جو بم پہنچایا گیا، وہ گھر کے باہر پھٹا، اس طرح وہ بھی بچ گئے، تاہم اس بات میں اب کوئی شک نہیں کہ وہ نیلی ڈبیا دراصل بم تھی۔"

"خدا کا شکر ہے، میں بال بال بچا، لیکن آخر وہ کون ہے جو ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"میں آج سے اس کیس پر کام شروع کر رہا ہوں، آپ فکر نہ کریں، بہت جلد اس کا کھوج لگا لوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ!" امیر ارسلان نے اٹھتے ہوئے کہا

"آپ محتاط رہیں، ڈاک میں آنے والا پارسل اگر اس

ڈبیا کی قسم کی کوئی چیز ہو، اسے دور پھینک دیں اور جب
تک ایک دن نہ گزر جائے اسے نہ کھولیں۔ یہی ہدایات
نے خان صاحب کو بھی دی ہیں۔ ہو سکے تو آپ سونے ک
تاجروں کی کوئی میٹنگ بلا لیں اور انہیں حالات سے با
کر دیں، تاکہ ان میں سے کوئی بے خبری میں نہ مارا جائے۔"

"ٹھیک ہے، یہ میں کر لوں گا۔"

ان کے رخصت ہونے کے بعد انہوں نے اکرام
شہر کے مشہور جرائم پیشہ افراد کا ریکارڈ نکالنے کے
کہا، خاص طور پر ان لوگوں کا جو بم وغیرہ کے کیسوں میں پک
گئے تھے، تھوڑی دیر بعد وہ ریکارڈ میں موجود ایک ایک
تصویر کو دیکھ رہے تھے، لیکن انہوں نے حملہ آور کو
نہیں دیکھا تھا اس لیے جب بیگم کو نہ دکھا لیتے
کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے فا
گھر لے جانے کے لیے اپنی میز پر رکھ لی۔ اس وقت
ڈی آئی جی کے چپراسی نے آ کر ان کا پیغام دیا، وہ فوراً خا
صاحب کے سامنے پہنچ گئے۔

"یہ آج امیر ارسلان کیوں آئے تھے؟" انہوں نے پوچھ

"وہ تو کل بھی آئے تھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ارے! لیکن کیوں؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

اور جب انہوں نے ساری تفصیل انہیں سنائی تو ڈی آئی جی
صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ
اپنے کمرے میں داخل ہوئے اور پھر بری طرح چونکے، اکرام
میز پر سر رکھے گہری نیند سو رہا تھا اور میز پر سے ریکارڈ کی
فائل غائب تھی۔

محمود، فاروق اور فرزانہ سکول سے آنے کے بعد اپنی تجربہ گاہ
میں تھے۔ اس کامیابی کے باوجود مجرم ان کی نظروں سے
اس طرح غائب تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔
اس کے بارے میں ابھی تک سرے سے کوئی سراغ نہیں
لگ سکا تھا، اگر کوئی اندازہ تھا تو صرف اتنا کہ مجرم
ان کے گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں رہتا تھا، کیونکہ
اگر فاصلہ زیادہ ہوتا تو آواز ان کی تجربہ گاہ میں سنائی
نہیں دے سکتی تھی۔ اس وقت وہ اسی فریکونسی پر
نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

"کم از کم ایک بات ہمیں تسلیم کرنا پڑے گی۔" فرزانہ
کہہ رہی تھی۔
"تم ایک بات کی بات کرتی ہو، میں تو کم از کم دس باتیں
تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا
"تمہاری کیا بات ہے، سوچے سمجھے بغیر جو بات مرضی
تسلیم کر لیتے ہو، لہٰذا میں اس معاملے میں تمہارا ساتھ نہیں
دوں گا، جب تک فرزانہ کی بات نہ سُن لوں، تسلیم کرنے
پر رضامندی ظاہر نہیں کروں گا۔" محمود نے بال کی کھال اتاری
"توبہ ہے محمود، آج تو تم فاروق کے کان کترنے کی کوشش
میں ہو۔" فرزانہ مسکرائی۔
"صرف کوشش میں ہی ہے، کتر تو نہیں سکتا نا۔" فاروق
نے جلدی سے کہا
"ہاں ابھی تو دونوں سلامت نظر آ رہے ہیں۔" فرزانہ بولی
"دیکھو فرزانہ! اگر میں نے فاروق کے کان کترے بھی تو
محاورۃً کتروں گا، کوئی عملی طور پر نہیں۔" محمود بولا۔
"گویا تم محمود کو بامحاورہ کن کٹا بنانے پر تلے ہو۔" فرزانہ
شوخ انداز میں مسکرائی۔
"محمود تو نہیں، تم ضرور اس کوشش میں نظر آتی ہو
لیکن میں جانتا ہوں، منہ کی کھاؤ گی، ناکامی تمہارا مقدر بن

بن جائے گی۔" فاروق نے بھی خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا
"میرا خیال ہے، اب فرزانہ کی وہ ایک بات سن ہی
لینی چاہیے، جو ہم سے تسلیم کرانے کے چکر میں ہے۔"
محمود نے تنگ آ کر کہا۔
"اچھی بات ہے، چلو فرزانہ، بتاؤ وہ کون سی بات ہے جو
تمہارے خیال میں ہمیں تسلیم کرنی پڑے گی۔"
"یہ کہ اس بار ایک عجیب و غریب جرم سے واسطہ پڑا
ہے، ہم سوچ بھی نہیں سکتے اور وہ وار کر جاتا ہے۔"
"یار فاروق! میرا خیال ہے، فرزانہ کی یہ بات تسلیم کر
ہی لینی چاہیے۔" محمود نے شریر لہجے میں کہا
"اچھا! اگر تم کہتے ہو تو کر لیتا ہوں۔" فاروق نے کہا۔
اسی وقت آلے پر اشارہ موصول ہوا، تینوں چونک کر
ادھر متوجہ ہو گئے۔
محمود نے فاروق کو اشارہ کیا اور وہ سومی کو اٹھا کر تیزی
سے باہر نکل گیا۔
"عین وقت پر ہم نے ہاتھ مارا، ورنہ انسپکٹر جمشید ہم
تک پہنچ گئے تھے۔" ایک آواز سنائی دی اور ان کے کان
کھڑے ہو گئے۔
"کیا مطلب، وہ کس طرح ہم تک پہنچتے؟" دوسری آواز

نے چونک کر کہا۔

"بیگم جمشید نے مجھے دیکھ لیا تھا، انسپکٹر جمشید نے میرا حلیہ پوچھا ہوگا، دفتر سے انہوں نے فائل نکلوائی ان کا ارادہ فائل گھر لے جاکر بیگم کو دکھانے کا تھا، لیکن میں نے عین موقعے پہ کام دکھا دیا اور اب وہ فائل آپ کے سامنے ہے۔"

"بہت خوب! واقعی تم لوگ بہت تیز ہو، یہ بات ماننی ہی پڑتی ہے۔"

"اب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔"

"تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو، کل نیا حکم دوں گا۔"

آوازیں آنا بند ہوگئیں۔ اسی وقت میاؤں کی آواز سنائی دی اور محمود اور فرزانہ نے ایک ساتھ اپنی اپنی کلائی کی گھڑیوں پہ نظر ڈالی اور انتظار کرنے لگے۔ پانچ سیکنڈ بعد ہی پھر میاؤں کی آواز سنائی دی اور اس کے تین منٹ بعد فاروق اندر داخل ہوا۔

"سمت کا تعین ہوگیا ہے، دو بج کر ٹھیک ۹ منٹ پہ جو آواز سنائی دی تھی، وہ اس فریکوئنسی کی سمت میں تھی اور اس کے پانچ سیکنڈ بعد بھی۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر آؤ، اس سمت میں چل کر دیکھتے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن پہلے وہ گفتگو تو سن لو جو اس گھر میں کی گئی ہے۔"

یہ کہہ کر فرزانہ نے بات چیت دہرا دی، فاروق کا منہ حیرت اور غصے سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے تیز آواز میں کہا:

"میں ان لوگوں کو مزا چکھا دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی محمود اور فرزانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور تینوں اپنی امی کے پاس آئے۔

"امی جان! ہم مہم پہ روانہ ہو رہے ہیں۔"

"مہم پہ — کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

"جی ہاں! وہی مجرم جو آپ کو چوٹ دے گیا تھا، وہی چوٹ پہ چوٹ دے رہا ہے، ابھی ابھی اس نے ابا جان کو ایک اور چوٹ دی ہے، ہم اس سے ٹکرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"لیکن تم اسے ڈھونڈو گے کہاں؟"

"سمت معلوم کر چکے ہیں، اللہ کا نام لیکر روانہ ہو رہے ہیں، اگر اس کے گھر تک پہنچ گئے تو اس سے آپ کا

انتقام بھی لیں گے، اور اسے اس کے جرم کی سزا بھی دیں
گے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ آخر چاہتا
کیا ہے۔ بموں کے ذریعے لوگوں کو کیوں شکار بنانا چاہتا ہے۔"
محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"اچھا جاؤ، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" انہوں نے کہا
اور وہ گھر سے نکل کر ایک سمت میں روانہ ہوگئے۔ دوپہر
کے اڑھائی بج رہے تھے۔

مفلر

انسپکٹر جمشید اکرام پر جھک گئے، اس کی کنپٹی کے پاس سے
خون بہہ بہہ کر میز پر پھیلے کاغذات پر آ گیا تھا، وار بہت
سخت کیا گیا تھا اور یہ سب چند سیکنڈ کے اندر اندر کیا گیا
تھا۔ وہ تیز آواز میں چلائے۔

"بابا فضل! فوراً اندر آؤ۔"

بابا فضل فوراً اندر داخل ہوا اور دم بخود رہ گیا:

"یہ ..... یہ ..... انہیں کیا ہوا؟"

"یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا، پہلے انہیں ہسپتال پہنچانا ہے،
ڈرائیور کو بلاؤ۔"

اکرام کو ہسپتال روانہ کرنے کے بعد انہوں نے بابا فضل
سے پوچھا:

"میرے خان صاحب کے کمرے کی طرف جانے کے بعد کیا
آپ دروازے پر سے کچھ دیر کے لیے ہٹے تھے؟"

"جی ہاں! رستم بیگ نے مجھے آواز دی تھی۔"

"رستم بیگ .... ریکارڈ کیپر کا چپراسی؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے بابا فضل کو دیکھا۔

"جی ہاں!" وہ بولا۔

"بہت خوب! تب تم رستم بیگ کو بلا لاؤ ..... یہ شخص کتنے عرصے کا ملازم ہے؟"

"چار پانچ سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے، اسے بلا لاؤ۔"

بابا فضل تو چلا گیا رستم بیگ کو بلانے اور انسپکٹر جمشید گہری سوچ میں گم ہو گئے۔ امیر ارسلان کا ان کے دفتر میں آنا اور نیلے رنگ کی ڈبیا ان کے حوالے کرنا، پھر اس بات کا مجرموں کو فوراً معلوم ہو جانا، اور ابھی تھوڑی دیر پہلے فائل نکلوانا اور ان کی میز پر سے اکرام کو بے ہوش کرنے کے بعد فائل غائب کر دینا ــ یہ سب باتیں صاف ظاہر کر رہی تھیں کہ دفتر میں کوئی مجرموں کا ساتھی ضرور ہے۔ بابا فضل کو دروازے کے پاس سے ہٹانے کا کام رستم بیگ نے کیا تھا تو کیا وہ رستم بیگ ہی ہے جو مجرموں کے لیے کام کر رہا ہے، یہ سوچ کر ہی ان کا خون کھولنے لگا، اسی وقت بابا فضل اندر داخل ہوا... اس کے ساتھ رستم بیگ کو نہ دیکھ کر وہ چونکے،

"کیا بات ہے بابا، تم رستم بیگ کو ساتھ نہیں لائے؟"

"وہ دفتر میں موجود نہیں، ابھی چند منٹ پہلے کریم خان سے چھٹی لے کر چلا گیا۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! جلدی سے کریم خان کو بلاؤ۔" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

بابا فضل تیزی سے نکل گیا، دوسرے ہی منٹ کریم خان اس کے ساتھ اندر داخل ہوا، اس نے اندر آتے ہی کہا:

"السلام علیکم جناب! میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"رستم بیگ چھٹی کیوں لے گیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا، سر میں شدید درد ہے، دو گھنٹے کی چھٹی دے دیں، میں نے دے دی۔"

"اس کا پتا کیا ہے؟" انہوں نے تلملا کر پوچھا۔

"اس کی فائل میں دیکھ کر ہی بتا سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، مجھے اس کا پتا فوراً چاہیے۔" انہوں نے کہا۔

"میں ابھی حاضر کرتا ہوں۔" کریم خان ریکارڈ کیپر نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر چلا گیا۔

انسپکٹر جمشید چلنے کی تیاری کرنے لگے... ان کے خیال میں وقت ضائع ہو رہا تھا۔

"بابا فضل! میں مجرموں کے ساتھی کے پیچھے جا رہا ہوں، اگر وہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے اس کا افسوس زندگی بھر رہے گا۔"

"بہت بہتر!" بابا فضل نے کہا۔

"اکرام کے بارے میں اگر فون پر کوئی اطلاع ملے تو میری طرف سے اسے پیغام دے دینا کہ وہ ہسپتال سے گھر جا سکتا ہے۔ دفتر آنے کی ضرورت نہیں، میں گھر میں اس سے مل لوں گا!"

"جی اچھا!"

"یہ کریم خان اب تک نہیں آیا، پہلے ہی بہت وقت ضائع ہو چکا ہے" انھوں نے بے تابی کے عالم میں کہا اور پھر خود ہی باہر نکل کر ریکارڈ روم کی طرف لپکے

کریم خان اپنے کمرے میں ایک فائل پر جھکا کاغذ پر کچھ نوٹ کر رہا تھا، ان کے قدموں کی آہٹ سن کر سیدھا ہو گیا اور پھر کاغذ ان کی طرف بڑھا کر بولا:

"یہ رہا جناب اس کا پتا"

"بس ٹھیک ہے، کل اگر وہ کام پر آئے تو اسے فوراً میرے پاس لے آئیے گا" انھوں نے کہا۔

"جی بہتر!"

وہ باہر نکل کر اپنی جیپ میں بیٹھے، کاغذ کے پرزے پر ایک نظر ڈالی اور پھر کچھ خیال آنے پر تیزی سے نیچے اترے۔ اب وہ تیز تیز قدم اٹھاتے دفتر کے ٹیلیفون ایکسچینج کی طرف جا رہے تھے۔

"اس وقت سے لے کر شام چار بجے تک کی تمام کالوں کا ریکارڈ میں پانچ بجے چاہتا ہوں"

"بہتر! مل جائے گا" ایکسچینج آفیسر نے کہا۔

ایک بار پھر وہ جیپ کی طرف بڑھ رہے تھے اور جیپ میں بیٹھنے کے بعد ان کا رخ رستم بیگ کے گھر کی طرف تھا۔

"شاید ہم پاگل ہو گئے ہیں" فاروق بڑبڑایا۔

"یہ جملہ تم اپنے لیے یقین سے بھی کہہ لو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، لیکن ہم اپنے بارے میں سننا پسند نہیں کریں گے" محمود نے اسے گھورا۔

"آخر ہم اس طرح کب تک شہر کی خاک چھانتے پھریں گے، سمت معلوم ہو جانے اور یہ معلوم ہو جانے سے کہ مجرموں کا گھر ہمارے آس پاس ہی ہے، یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ ہم اس گھر کو تلاش ہی کر لیں گے"

"چلو کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے" فرزانہ بولی۔

"کوشش تو ہم ڈیڑھ گھنٹے سے کر رہے ہیں، پھر کیا ہماری کوشش رنگ لائی" فاروق نے منہ بنایا۔

"آخر تمہیں رنگ کی ایسی کیا فکر ہے، بعض چیزیں بے رنگ بھی اچھی لگتی ہیں، ویسے اگر تم اس کوشش میں ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو واپس چلے جاؤ" محمود جھلا کر بولا

"یہی تو مصیبت ہے، میں واپس جا کر اتی سے کیا کہوں گا، ان سے ہم یہ کہہ کر آئے ہیں کہ ان کا انتقام لینے جا رہے ہیں" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تو پھر چلتے ...... ارے"

فرزانہ کہتے کہتے چونک کر رک گئی، اس کی نظریں ایک سمت میں اٹھ گئیں اور منہ اس طرح حیرت سے پھیل گیا تھا کہ کیا کسی روزنہ پھیلا ہوگا، محمود اور فاروق نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔

"گلی میں کوئی بھوت نظر آ گیا ہے کیا" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"تم جانتے ہو، میں بھوتوں سے ڈرنے والی نہیں" فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! یہ تو ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں تو پھر کیا

نظر آیا ہے" محمود نے بے چین ہو کر کہا

"مجھے ایک ایسی چیز نظر آئی ہے کہ اگر تمہیں نظر آ جائے تو ہوش ٹھکانے آ جائیں" فرزانہ نے اب بھی اسی انداز میں کہا، دونوں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا، لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا۔

"تو سنو، بہت دنوں سے ہمارے ہوش ٹھکانے نہیں آئے، ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہوش ٹھکانے آ جائیں، اس لیے جلدی بتاؤ کہ تمہیں اس سنسان گلی میں ایسی کیا چیز نظر آ گئی ہے، ہمیں تو یہاں مکانوں اور در و دیوار کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا، دوپہر کا وقت ہے، لوگ اپنے گھروں میں دبکے پڑے ہیں ورنہ وہ بھی نظر آتے" فاروق کہتا چلا گیا۔

"بے شک فاروق نے ٹھیک کہا، یہاں مجھے بھی کچھ نظر نہیں آیا" محمود بولا

"تم دونوں کی نظریں کمزور ہو گئی ہیں، ان کا علاج کراؤ اور میری آنکھوں سے اس اہم سراغ کو دیکھو ہم نے پایا ہے اور اب میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ آوازیں جو ہم نے اپنی تجربہ گاہ میں سنی تھیں، اس گلی کے ایک مکان سے ہی آئی تھیں" فرزانہ نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"کیا!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور ان کی
آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں، پھر محمود بولا:
"دیکھو فرزانہ! پہیلیاں بھجوانے کے لیے تمہیں پھر بھی وقت
مل سکتا ہے، جلدی بتاؤ، تمہیں ایسی کیا چیز نظر آ رہی
ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے"
"اور کیا، اس چیز نے کوئی سلیمانی ٹوپی تو نہیں اوڑھ لی
لیکن اگر ایسا ہوتا تو پھر تو وہ تمہیں بھی نظر نہ آتی، آپ
ظاہر ہوا، اس دور میں سلیمانی ٹوپی اس چیز کو میسر نہیں
آسکتی، تب پھر وہ ہمیں کیوں نظر نہیں آ رہی" فاروق
نے بھی جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"وہ اس لیے کہ تمہاری عقل کی آنکھیں کمزور ہیں، الب
زبان کے بارے میں کیا کہوں کہ اس کی شان میں کہنے کے
لیے اب مجھے الفاظ نہیں ملتے" فرزانہ جلے کٹے لہجے میں بولی
"یار محمود! اسے ایک ڈکشنری لا دو" فاروق نے اس
ہاتھ ہلا کر کہا جیسے مکھی اڑائی ہو۔
"اچھا! لیکن بل تم دو گے" محمود بولا۔
"اب تم دونوں خود وقت ضائع کر رہے ہو، ہمارے
میں یہ بڑی لعنت ہے کہ وقت کو بڑی بے دردی
ضائع کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ ایک ایسی چیز ہے

ایک بار ضائع ہونے کے بعد واپس نہیں آسکتی، بڑے
بڑے سائنس دان اس سلسلے میں ناکام ہو چکے ہیں" فرزانہ
نے تیزی سے کہا۔
"اور تم نے تو جیسے یہ جملے کہہ کر وقت کو آباد کیا ہے
اور یہی ایک کیا، ہمارے ملک میں ایک اور لعنت بھی ہے۔
اب لعنتوں کا ذکر چھڑ گیا ہے تو بتاتی چلوں، لوگ ریڈیو
ٹیپ ریکارڈ اور ٹی وی اتنی اونچی آواز سے لگاتے ہیں
کہ ان کے پڑوسیوں کو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی
اور اگر کوئی شریف پڑوسی یہ گذارش کر بیٹھے کہ بھائی
ذرا آہستہ آواز میں بجا لیں تو وہ اس کا اس طرح مذاق
اڑاتا ہے، جیسے اس نے کوئی بہت ہی بھونڈی درخواست
کر ڈالی ہو"
"ہاں واقعی! یہ تو ہمارے ہر دوسرے گھر کا مسئلہ
ہے" فرزانہ نے ٹھنڈا سانس بھرا پھر بولی:
"خیر اس کا علاج پھر سوچیں گے، اس وقت تو مسئلہ
یہ ہے کہ مجھے کیا چیز نظر آ رہی ہے، تو سنو، تم
وہ سامنے والے مکان کی کھڑکی تو دیکھ ہی رہے ہو
امید ہے، نظر آ رہی ہوگی، اب اس کھڑکی کے ساتھ
رکھی ہوئی چیز کو غور سے دیکھو، اگر غور سے دیکھنے

کے بعد تم دونوں کے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے تو
مجھے دعا دے دینا۔"

"چودہ طبق یا چودہ چودہ طبق، کیونکہ صفر چودہ کرنے
کی صورت میں تو ہمارے سات سات طبق روشن ہوں گے۔
ویسے تو میں آج تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ یہ طبق کس
طرح روشن ہو جاتے ہیں، ملک میں بجلی کی رو پہلے ہی
کمزور رہتی ہے۔" فاروق نے شریر لہجے میں کہا اور کھڑکی
کی طرف دیکھا، اس کے ساتھ ہی محمود کی نظریں بھی اٹھ
گئیں۔

"توبہ ہے فاروق، تم سے خدا بچائے۔" فرزانہ نے تلملا
کر کہا۔

"خدا کو اگر مجھ سے تمہیں بچانا ہوتا تو میں کہیں اور
پیدا ہوتا۔" فاروق بڑبڑایا، پھر دونوں غصے کے عالم میں
اس کی طرف پلٹے:

"کیا تم مذاق کے موڈ میں ہو۔" محمود نے پھاڑ کھانے
والے لہجے میں کہا۔

"نہیں تو، یہ تم نے کس طرح کہا۔" فرزانہ نے حیران
ہو کر کہا۔

"اس طرح کہ اس کھڑکی میں ہم دونوں کو کوشش

کے باوجود کچھ بھی نظر نہیں آیا، ہم نے مانا تمہاری
نظر بھی کانوں کی طرح بہت تیز ہے، لیکن ہماری
نظر بھی خدا کے فضل اور کرم سے کمزور نہیں ہے،
پھر بھی اگر وہ چیز دوربین کی مدد کے بغیر نظر
نہیں آ سکتی تو تم یہیں ٹھہرو، ہم دوڑ کر گھر
سے دوربین لے آتے ہیں۔" محمود نے جلے کٹے لہجے
میں کہا۔

"تم دونوں کو جانے کی کیا ضرورت ہے، دوربین تو
ایک آدمی بھی جا کر لا سکتا ہے۔" فرزانہ کا انداز مذاق
اڑانے والا تھا، چہرے پہ شریر مسکراہٹ تھی۔

"ٹھیک ہے، نہ بتاؤ کہ تمہیں کیا نظر آ رہا ہے، ہم
واپس جاتے ہیں۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"ارے ارے! ناراض کیوں ہوتے ہو، عقل کیوں استعمال
نہیں کرتے۔" فرزانہ گھبرائی۔

"عقل کہاں سے استعمال کریں، ہم دونوں کی عقل پہ
تو تم ہاتھ صاف کر چکی ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تو بہ ہے، تم دونوں سے۔" فرزانہ بھی جھلا گئی۔

"ہاں وہ تو ہے۔"

"ارے بھئی تو پھر عقل کے ناخن لو اور دیکھیں......

کھول کر دیکھو، کھڑکی سے وہ مفلر لٹک رہا ہے، جو
میں اس شخص کے سر پر دیکھ چکی ہوں جو میری
سہیلی فوزیہ خانم کو تحفہ دینے کے بہانے بم والی ڈبیا
وہاں رکھ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور تم
دونوں نے اس کا تعاقب کیا تھا، کیا تم نے مفلر نہیں دیکھا
تھا" فرزانہ روانی کے عالم میں کہتی چلی گئی۔

"وہ مارا!"

محمود اور فاروق ایک ساتھ چلائے۔

جیران

رستم بیگ کا گھر ایک تنگ و تاریک سے محلے میں
تھا۔ انسپکٹر جمشید کو جیپ سے اتر کر پیدل چل کر جانا
پڑا۔ گھر تلاش کرنے میں انہیں دقت نہ ہوئی، پوچھنے
پر ایک راہگیر نے فوراً بتا دیا، جس کا صاف مطلب یہ تھا
کہ رستم بیگ اس محلے میں کافی عرصے سے رہ رہا
ہے اور لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہیں، انہوں نے گھر
پر ایک نظر ڈالی، حالت بہت خستہ تھی، شاید مدتوں
سے اسے مرمت نہیں کرایا گیا تھا، دستک دینے پر
چند سیکنڈ بعد ہی ایک سولہ سترہ سال کی لڑکی نے
دروازہ کھولا:

"جی فرمائیے!" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے رستم بیگ سے ملنا ہے۔"

"وہ تو ابھی دفتر سے نہیں آئے۔" وہ بولی۔

"دفتر سے تو وہ آ چکے ہیں۔ ان کے سر میں درد تھا۔" انسپکٹر جمشید نے لہجے میں حیرت شامل کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! پھر وہ اب تک یہاں کیوں نہیں پہنچے؟"

"خدا جانے کہاں رہ گئے، مجھے ان سے ایک ضروری کام تھا۔" انہوں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ انتظار کرنا پسند کریں تو اندر تشریف لے آئیں۔"

"ہاں! میں انتظار کروں گا۔" وہ بولے۔

لڑکی نے انہیں ایک کمرے میں لا بٹھایا۔ شاید یہ ان کا ڈرائنگ روم تھا، یہاں ایک چارپائی اور ایک کرسی موجود تھی۔

"گھر میں اور کون کون رہتا ہے؟"

"میں، میری امی اور ابا جان، بس ہم تین ہی ہیں۔"

"ہوں! رستم بیگ کی تنخواہ سے گھر کا خرچ آسانی سے تو نہیں چلتا ہوگا۔"

"جی نہیں! بہت ہی مشکل سے گزارا ہوتا ہے، ابا جان کئی مہینے سے مکان کا کرایہ تک ادا نہیں کر سکے، مالک مکان تنگ کر رہا ہے۔"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید نے کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گئے۔

"آپ کون ہیں، ان سے کیا تعلق ہے؟" لڑکی نے بے چینی کے عالم میں پوچھا۔

"مجھے ان کا دوست سمجھو بیٹی۔" وہ بولے۔

"ٹھہریے میں آپ کے لیے چائے لے آؤں۔" لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں! اس کی ضرورت نہیں، آپ کو اگر گھر کا کوئی کام ہو تو آپ بڑی خوشی سے جا کر کام کریں، میں تھوڑی دیر ٹھہروں گا۔"

"نہیں، مجھے کوئی کام نہیں، لیکن چائے تو آپ کو پینی ہی پڑے گی۔"

"دراصل میں چائے کا شوقین نہیں، بس صبح ناشتے کے وقت پی لیتا ہوں اور ایک کپ شام کو، اس کے علاوہ چائے بالکل نہیں پیتا۔" انہوں نے کہا، یہ خیال بھی تھا کہ خدا جانے گھر کی کیا حالت ہو، چائے بنانا ان کے لیے ممکن بھی ہے یا نہیں۔

لڑکی ان کے سامنے چارپائی پر بیٹھی رہی، وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ آخر تقریباً آدھ گھنٹے

بعد اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے جیب سے دو سو
روپے نکال کر لڑکی کی طرف بڑھائے اور بولے:

"بیٹی! یہ رکھ لو، اپنی امّی کو دے دینا اور کچھ
نہیں تو مکان کا کچھ کرایہ تو ادا ہو ہی جائے گا۔"

"نہیں، نہیں! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" لڑکی خوفزدہ
انداز میں پیچھے ہٹی۔

"ارے بھئی، اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے، میں نے
تمہیں بیٹی کہا ہے، رستم بیگ کو دوست خیال کرتا
ہوں۔"

"پھر بھی اپنی امّی جان اور ابّا جان کی اجازت کے
بغیر کس طرح لے سکتی ہوں۔" وہ بولی۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، خیر تم اپنی امّی سے
اجازت لے لو۔"

لڑکی کی والدہ شاید دروازے میں کھڑی سب کچھ سن
رہی تھیں، اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"بیٹی! خدا نے شاید ہمارے گھر فرشتہ بھیجا ہے
پیسے لے لو بیٹی!"

اور انسپکٹر جمشید نوٹ اسے تھماتے ہوئے دروازے
کی طرف بڑھے، لڑکی انہیں دروازے تک رخصت کرنے

آئی، باہر نکل کر انہوں نے ایک پبلک فون بوتھ سے اکرام
کو فون کیا:

"ہیلو اکرام، ایک آدمی کو تم بیگ کے گھر کی نگرانی
پر لگا دو، محمد حسین آزاد ہی مناسب رہے گا، جونہی
رستم بیگ اپنے گھر میں داخل ہو، مجھے اطلاع دے
دی جائے اور اگر وہ گھر سے فرار ہونے کی کوشش کرے
تو اسے گرفتار کر لیا جائے۔" انہوں نے حکم دیا۔

"جی بہت بہتر!" اکرام نے جواب دیا۔

وہاں سے فارغ ہو کر ان کا رخ شہر کے مشرق کی
طرف ہو گیا، بیس منٹ تک سفر کرنے کے بعد ان کی
جیپ ایک ہوٹل کے سامنے رکی، ہوٹل کا نام ہوٹل البلیا
تھا، وہ صدر دروازے میں داخل ہوئے تو کاؤنٹر والا
چونک اٹھا، اس کا ہاتھ فوراً فون کی طرف بڑھا، یہ
دیکھ کر وہ مسکرائے اور وہیں سے بولے:

"رہنے دو خان زمان! مجھے جیرن سے ایک معمولی سا
کام ہے، اس کے لیے اسے پہلے سے اطلاع دینا ضروری
نہیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ بائیں طرف مڑ گئے اور ایک کمرے
کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئے۔ اندر ایک کرسی

پر موٹے قد والا ایک آدمی سگار منہ میں دبائے بیٹھا
تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، لیکن وہ جاگ رہا تھا۔
اس نے دروازہ کھلنے کی آواز بھی سن لی تھی، تاہم
آنکھیں پھر بھی نہیں کھولی تھیں، دوسرے ہی لمحے
اس کی آواز کمرے میں گونجی:

"کیا مصیبت آگئی زمان خان!"

"اسے میں نے فون کرنے سے روک دیا تھا۔" انسپکٹر
جمشید مسکرا کر بولے اور موٹے نے چونک کر آنکھیں کھول
دیں، پھر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا:

"ارے آپ، آئیے آئیے انسپکٹر صاحب، آپ نے
کیوں تکلیف کی، مجھے دفتر بلوا لیا ہوتا، خیر
تشریف رکھیے۔"

"بھئی ذرا میرے پاس وقت کم ہے، صرف اتنا بتا
دو کہ آج کل سر پر مفلر کون سا بدمعاش استعمال کر
رہا ہے۔"

"سر پر مفلر، یہ میرے لیے ایک عجیب اور بالکل نئی
خبر ہے۔" جیرن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا سچ کہہ رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے اسے بغور
دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل سچ! بھلا آپ سے جھوٹ بول سکتا ہوں۔"

"اور اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ جھوٹ بولا گیا ہے،
تو اپنے حشر کا اندازہ ابھی لگا لو۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، آپ سے جھوٹ بول
کر آخر میں اپنا بیڑہ غرق کیوں کراؤں گا۔" اس نے
پریشان ہو کر کہا۔

"ہوں! اچھا میں چلتا ہوں۔ اگر کسی طرح تمہیں یہ بات
معلوم ہو جائے کہ مفلر کون استعمال کر رہا ہے، تو
مجھے فوراً اطلاع دینا۔"

"ضرور! آپ بے فکر رہیں۔" جیرن نے کہا۔

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید
ایک جھٹکے سے مڑے اور باہر نکل آئے۔ پہلے ان کا
ارادہ واپس دفتر جانے کا تھا، لیکن اب انہوں نے
ارادہ بدل دیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آج وہ
وقت سے پہلے ہی گھر جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بیگم جمشید ان کے لیے دروازہ کھولتے
ہوئے انہیں بتا رہی تھیں:

"محمود، فاروق اور فرزانہ اڑھائی بجے کے قریب

کسی مہم پہ روانہ ہوئے تھے، لیکن ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔“

یہ سن کر ان کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا، وہ بےتابی کے عالم میں ٹہلتے ہوئے تینوں کا انتظار کرنے لگے۔

⁂

مفلر والا

”اگر تم دونوں اسی طرح چلّا کر بولتے رہے تو لوگ بوکھلا کر گھروں سے نکل آئیں گے اور ہو سکتا ہے، وہ مفلر والا بھی نکل آئے، اس صورت میں وہ ہوشیار ہو جائے گا، کیونکہ مجھے پارٹی میں دیکھ چکا ہے، لیکن میں نہیں چاہتی کہ وہ ہوشیار ہو، کیونکہ میں اسے مفلر کے بغیر دیکھنا چاہتی ہوں، مفلر کھڑکی پہ لٹکنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت گھر میں موجود ہے، اور ہم اس وقت نہایت آسانی سے اسے دیکھ سکتے ہیں۔“ فرزانہ رکے بغیر کہتے چلی گئی۔

”میں نے تمہیں اس رفتار سے بولتے پہلی مرتبہ سنا ہے، یوں لگتا ہے، جیسے تمہاری زبان کو پر لگ گئے ہیں۔“ فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا، پھر ایک لمحے کو رک کر بولا:

"ذرا دکھانا تو زبان۔"

"زبان کو پَر، بھئی بہت خوب، یہ تم نے آج نئی بات کی۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے، آج سے پہلے میں نے ہمیشہ پرانی باتیں کی ہیں۔" فاروق جل کر بولا۔

"تو اور کیا، وہی جملے بار بار دہراتے رہتے ہو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"بھائی کیا کروں، زبان پر چڑھ گئے ہیں۔"

"تو اپنی زبان میں بھی پَر فٹ کرا لو، تاکہ پرانے جملے اس سے جھڑ جائیں۔" محمود کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

"یہ میری زبان ہے، کوئی آم کا پیڑ نہیں جس سے جملے جھڑنے لگیں گے۔"

"ہائیں! یہ آم کے پیڑ سے جملے کب سے جھڑنے لگے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"خدا تم دونوں سے سمجھے، بلکہ رحم بھی فرمائے اور عقل بھی عطا فرمائے، اپنی اپنی زبانوں پہ کنٹرول کرنے کی توفیق عطا فرمائے......" فرزانہ برے برے منہ بناتی ہوئی کہتی جا رہی تھی کہ محمود نے گھبرا کر اسے روک دیا:

"بس بس! ساری دعائیں آج ہی ختم نہ کر دینا، کچھ بچا کر بھی رکھ لو، کسی اور موقع کے لیے، ہاں تو پھر تمہارا کیا پروگرام ہے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی، دوپہر کا وقت ہے، لوگ گھروں میں آرام کر رہے ہیں......"

"واقعی بہت اچھا پروگرام ہے۔" فاروق بھلا کہاں رکنے والا تھا۔

"ایسے میں چلا کر بات نہ کرو، میں دراصل اس مفلر والے کے گھر میں داخل ہونے کا پروگرام بنا چکی ہوں۔" آخر فرزانہ نے بتایا۔

"کیا کہا، گھر کے اندر داخل ہونے کا پروگرام، اور اگر اس نے ہمیں پکڑ لیا اور چور چور کا شور مچا کر محلے بھر کو جمع کر لیا۔" محمود نے کہا۔

"میرا خیال ہے، اس کی نوبت نہیں آئے گی...... آؤ چلیں، ہم بہت وقت ضائع کر چکے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم سے پہلے ابا جان گھر پہنچ جائیں اور ہمارے لیے پریشان ہوں۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، تو پھر چلو، جو کرنا ہے، جلد کر لو۔" فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

تینوں ایک ساتھ اس مکان کی طرف بڑھے، گھڑی والا

کمرہ دوسری منزل پہ تھا اور دوسری منزل پہ جانے
کے لیے زینہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا، انہوں نے
آؤ دیکھا نہ تاؤ، دبے پاؤں زینے پہ چڑھنے لگے، زینہ
ختم ہوتے ہی انہیں دائیں بائیں ایک ایک دروازہ
نظر آیا، وہ بائیں دروازے کی طرف مڑے، فرزانہ نے
پہلے تو دروازے سے کان لگاکر اندر کوئی آواز سننے کی
کوشش کی، لیکن ناکام رہنے پہ دروازے کو دھکیلا، وہ کھلتا
چلاگیا، فرزانہ کے چہرے پہ مسکراہٹ رینگ گئی، اس قسم کی
کامیابی کے موقعوں پہ بھرپور انداز میں مسکرانا اسس کی
عادت تھی۔

اس نے ایک نظر نیچے ڈالی اور پھر محمود کو اشارہ کیا،
وہ ایک دم اندر داخل ہو گیا، وہ ایک چھوٹے سے صحن
میں کھڑا تھا اور اوپر کھلا آسمان تھا۔ سامنے ایک کمرے
کا دروازہ تھا جو تھوڑا سا کھلا تھا، محمود دبے پاؤں اسس
دروازے کی طرف بڑھا، فاروق اور فرزانہ بھی دھک دھک
کرتے دلوں کے ساتھ اندر داخل ہوگئے۔ جھری میں سے
جھانکنے پہ انہیں صرف کمرے کا فرش اور سامنے کی دیوار
کا تھوڑا سا حصہ نظر آسکا۔ آخر محمود نے آہستہ آہستہ
دروازے کو دھکیلنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ایک آدمی

کے گزرنے کی گنجائش ہو گئی۔ محمود نے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ
کہنے کے انداز میں ہونٹ ہلائے اور کمرے میں قدم
رکھ دیا۔

دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل
گئیں، اس نے پیچھے مڑ کر فاروق اور فرزانہ کو اندر
آنے کا اشارہ کیا۔ اندر آنے پہ ان کی بھی وہی حالت
ہوئی۔ دائیں طرف کی دیوار کے ساتھ ایک پلنگ بچھا تھا۔
پلنگ پہ ایک آدمی گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے
خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے، اس کے جسم پہ وہی
کپڑے تھے جو فرزانہ پارٹی کے دوران دیکھ چکی تھی، لیکن
اس کے جسم میں سب سے عجیب چیز اسس کا سر تھا۔
سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف تھا۔ اس پہ ایک بال
بھی نہیں تھا، لیکن یہ کوئی ایسی عجیب بات نہیں تھی۔
عجیب بات تو یہ تھی کہ سر بالکل ایک مینارے کی طرح
تھا۔ اوپر سے نوکیلا اور نیچے سے گنبد کی طرح۔ انہوں
نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ عجیب سر پہلے کبھی
نہیں دیکھا تھا۔ وہ حیرت زدہ انداز میں ٹکر ٹکر اس کے
سر کو تکنے لگے۔ آخر محمود نے دبی آواز میں کہا:
"اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہ وہی شخص ہے جو

پارٹی میں بم رکھ آیا تھا۔ ہمیں ایک بہت ہی قیمتی سراغ
مل گیا ہے۔ ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ اسے سوتا چھوڑ
کر واپس لوٹ جائیں اور ابا جان کو اطلاع دیں۔"

"اور اگر یہ اس دوران فرار ہو گیا تو ابا جان ہمیں معاف
نہیں کریں گے۔" فرزانہ بولی

"تو اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم میں سے دو
مکان کے سامنے ٹھہر کر اس کی نگرانی کریں اور ایک
ابا جان کو اطلاع دینے جائے۔" فاروق بولا۔

"لیکن ہم یہیں ٹھہر کر ابا جان کو فون کیوں نہ کر
دیں۔" فرزانہ بولی۔

"فون — یہاں سے؟" محمود نے سوالیہ انداز میں کہا اور
پھر چونک اٹھا۔ لمبوترے سر والے کے پلنگ کے نیچے
ایک تپائی پر فون رکھا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے، ہم اس کمرے سے فون کریں۔"
محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں! دیکھتے نہیں، یہ گہری نیند سو رہا ہے، بلکہ اس کے
خراٹے سن کر میرا جی بھی چاہ رہا ہے کہ لمبی تان کر
سو جاؤں، لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہاں لمبی کیسے تانوں۔"
فرزانہ بولی۔

"فرزانہ یہ تم بول رہی ہو یا میرے کان دھوکا کھا
رہے ہیں، جہاں تک میرا خیال ہے، یہ فاروق بولا ہے۔"
محمود نے کہا۔

"میری آواز لڑکیوں جیسی نہیں، مردانہ آواز ہے، آج تک
تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم۔" فاروق نے تنک کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے، مجھے یہاں سے ہی فون کرنا ہوگا۔"

"اب کر بھی چکو فون، وقت ضائع نہ کرو، کہیں یہ جاگ کر
کوئی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ بیچارہ کم از کم ہمارے لیے کوئی مصیبت نہیں کھڑی
کر سکتا۔" فاروق نے کہا۔

"ایسا نہ کہو، دشمن کو کمزور سمجھنا بہت بڑی بے وقوفی
ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے، خیر تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ
ہمارے لیے مصیبت کھڑی کر سکتا ہے، بلکہ مصیبت کا
پہاڑ کھڑا کر سکتا ہے۔"

"بالکل غلط! اس کمرے میں پہاڑ آ ہی نہیں سکتا۔" محمود
نے اسے گھورا۔

"مصیبت کا پہاڑ اگرچہ بہت بڑا ہوتا ہے، لیکن بہت
چھوٹی سی جگہ میں سما سکتا ہے۔" فاروق نے نصیحت کرنے

والے انداز میں کہا۔

"تمہیں ہی معلوم ہو گا، اچھا تو میں کرتا ہوں فون، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

یہ کہہ کر محمود فون کی طرف جھکا ہی تھا کہ اس کی گھنٹی تیز آواز میں گونج اٹھی۔ تینوں بوکھلا اٹھے۔ ان کی نظریں ایک ساتھ لمبوترے سر والے کی طرف اٹھیں اور پھر ان کی سٹی گم ہو گئی۔

اس کی موٹی موٹی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور انہیں اس طرح گھور رہی تھیں جیسے خواب میں کسی کو دیکھ رہی ہوں۔

○

پانچ بج کر دس منٹ ہو رہے تھے اور محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی تک واپس نہیں لوٹے تھے۔ انسپکٹر جمشید کی پریشانی میں ہر لمحے اضافہ ہو رہا تھا۔ آخر انہوں نے ٹہلنا بند کر دیا اور بیگم سے بولے:

"جاتے وقت انہوں نے کیا کہا تھا؟"

"انہوں نے کہا تھا، وہ ایک مہم پر جا رہے ہیں، میں نے حیرت ظاہر کی تو کہنے لگے کہ اس مجرم کی تلاش میں جا رہے ہیں جنہوں نے مجھے چوٹ دی تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ابھی ابھی اس مجرم نے آپ کو بھی ایک اور چوٹ دی ہے اور یہ کہ وہ اس کے گھر کی سمت معلوم کر چکے ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ! انہیں کس طرح معلوم ہو گیا کہ مجرم مجھے ایک اور چوٹ دے چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی، پھر چونک کر بولے:

"مہم پر جانے سے پہلے وہ ضرور اپنی تجربہ گاہ میں رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"اس کا مطلب ہے انہوں نے پھر مجرموں کی گفتگو سنی ہو گی اور سمت کا اندازہ لگا کر نکل کھڑے ہوئے ہوں گے۔ اور ان کے اب تک واپس نہ آنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس ٹھکانے تک پہنچنے میں کامیاب تو ہو گئے، لیکن وہاں جا کر پھنس گئے ہیں... اُف... اب میں وہ سمت کس طرح معلوم کر سکتا ہوں۔" انہوں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر تجربہ گاہ کی طرف لپکے

بیگم جمشید بھی پریشان ہوگئیں، وہ بھی ان کے پیچھے دوڑیں، انسپکٹر جمشید نے آلات کو دیکھا بھالا، لیکن بھلا وہ وہ فریکوئنسی کس طرح معلوم کرتے، ان تینوں کو تو اتفاق سے فریکوئنسی معلوم ہوگئی تھی، وہ انہوں نے ذہن میں رکھی ہوگی، اب نئے سرے سے اس کی تلاش کرنے میں بہت وقت ضائع ہوتا اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہاں اس وقت کوئی گفتگو ہو رہی ہے، چند لمحے یک آلات کے ساتھ الجھنے کے بعد انہوں نے کہا:

"نہیں! میں ان تک دوسرے راستے سے پہنچوں گا۔"

"دوسرے راستے سے، کیا آپ نے بھی کوئی راستہ معلوم کرلیا ہے؟" بیگم کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"نہیں! میرا مطلب تھا تفتیش کرتا ہوا پہنچوں گا۔"

"لیکن اس طرح تو بہت دیر ہو جائے گی۔" وہ بے چین ہوگئیں۔

"ہاں! دیر ہو جانے کا بھی امکان ہے، لیکن اس کے سوا اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے، ویسے ارد گرد ان کی تلاش بھی شروع کرا دیتا ہوں۔ یہ بات تو ثابت ہے کہ وہ ہمارے مکان کے آس پاس ہی کہیں ہوں گے، کیونکہ ان کا یہ آلہ ابھی زیادہ دور کی آوازیں کھینچ نہیں کرتا، آؤ، اکرام کو

فون کریں۔"

آخر دونوں واپس گھر کے صحن کی طرف آئے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، انہوں نے بے تابی کے عالم میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف اکرام تھا اور کہہ رہا تھا:

"ہیلو سر! ابھی ابھی اطلاع موصول ہوئی ہے کہ رستم بیگ کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے۔"

"بہت خوب! محمد حسین آزاد سے کہو، وہیں ٹھہرے، میں پہنچ رہا ہوں اور ہاں، محمود، فاروق اور فرزانہ غائب ہیں، وہ اسی کیس کے سلسلے میں مجرم کی تلاش میں نکلے تھے، اپنی تجربہ گاہ میں انہوں نے مجرموں کی گفتگو سن لی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے گھر کے آس پاس ہی کہیں موجود ہیں، لیکن پھنس گئے ہیں، ان کی تلاش کے سلسلے میں کچھ لوگوں کو لگا دو، بلکہ اگر تم خود نکل کھڑے ہو تو بہتر ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں، میں ابھی کچھ لوگوں کے ساتھ نکل رہا ہوں۔" اکرام بولا۔

"اور میں رستم بیگ کی طرف جا رہا ہوں۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ بیگم کو تسلی دیتے ہوئے وہ باہر نکلے

اور جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ گلی کے موڑ پر انہیں
محمد حسین آزاد نظر آیا۔ ان کی جیپ کو دیکھ کر وہ تیر کی
طرح ان کی طرف آیا:

"وہ ابھی تک گھر میں موجود ہے سر!"

"بہت خوب! آؤ میرے ساتھ۔" انہوں نے کہا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے رستم بیگ کے مکان
پر پہنچے۔ محمد حسین آزاد نے دستک دی۔ چند سیکنڈ
بعد دروازہ کھلا اور اسی لڑکی کی آواز سنائی دی۔ انسپکٹر
جمشید یہ دیکھ کر چونک اٹھے کہ لڑکی بری طرح رو
رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو زاروقطار بہہ رہے
تھے۔ آنسو بھری آنکھوں سے اس نے ان کی طرف دیکھا
تو وہ بھی چونکی اور بولی:

"آپ ..... آپ پھر آگئے!"

"ہاں بیٹی! کیا تمہارے ابا جان آگئے ہیں؟"

"جی ہاں! وہ آئے تو تھے، لیکن پھر چلے گئے۔"

"پھر چلے گئے، کیا مطلب؟"

"ان ..... ان سے کوئی جرم ہو گیا ہے، چھپ چھپا
کر یہاں آئے تھے، اور آتے ہی ہمیں یہ کہہ کر چلے گئے
کہ وہ کچھ دن کسی جگہ چھپے رہیں گے۔"

"اوہ! لیکن وہ گئے کس راستے سے؟"

"کھڑکی کے راستے، کھڑکی دوسری گلی میں کھلتی ہے،
ان کا خیال تھا کہ مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔"

انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے، ایک سرا ہاتھ آیا
تھا، لیکن وہ بھی نکل گیا۔

نئی بات

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر لمبوترے سر والے نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا:

"اگر تم تینوں کسی بزدل باپ کے بیٹے نہیں ہو تو مجھے فون سن لینے دو، اور یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرنا، ویسے اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی بھی تو شاید کامیاب نہ ہو سکو۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا:

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟"

خاموش ہو کر وہ دوسری طرف کی گفتگو سننے لگا، دفعتہً تینوں نے اس کا رنگ اڑتے ہوئے صاف دیکھا، کچھ دیر تک دوسری طرف کی گفتگو سننے کے بعد اس نے لرزش زدہ آواز میں کہا:

"تم فکر نہ کرو، میں دیکھ لوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑا:

"ہاں! اب بتاؤ! تم کون ہو اور بغیر اجازت میرے گھر میں کیوں آ گھسے؟" اس نے غرا کر کہا۔

"لوگوں کے گھروں میں بغیر اجازت گھسنا ہمارا مشغلہ ہے۔" محمود نے نڈر ہو کر کہا۔

"یہ اور بات ہے کہ ہر بار رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"تم لوگوں کی زبانیں ضرورت سے کچھ زیادہ تیز چلتی ہیں، یہ رفتار کہاں سے حاصل کی؟" اس نے پوچھا۔

"آپس میں باتیں کر کے۔" فرزانہ بولی۔

"سچ سچ بتاؤ، تم لوگ اندر کیوں داخل ہوئے ہو؟" اس نے کہا۔ شاید اس نے ابھی تک فرزانہ کو غور سے نہیں دیکھا تھا، فرزانہ سمجھ گئی کہ یہی بات ہے، چنانچہ اس نے کہا۔

"مجھے دیکھو! تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا۔"

وہ فرزانہ کی طرف مڑا اور پھر جونہی اسے غور سے دیکھا، چونک اٹھا:

"اوہو! تم تو وہی لڑکی ہو۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! میں وہی لڑکی ہوں، میرے بارے میں یہ جملہ اکثر لوگ کہتے رہتے ہیں، اس لیے جواب میں یہ نہیں کہتی کہ میں

"وہ نہیں ہوں۔" اس نے شریر لہجے میں کہا۔

"اب تو مجھے اٹھنا ہی پڑے گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں جناب! خیر تو ہے، اب اٹھنے کا پروگرام کیوں بن گیا؟" فاروق چہکا۔

"اس لیے کہ......" اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور جملہ درمیان میں ہی چھوڑ دیا۔

"کہیں آپ بھاگنے کی تیاری تو نہیں کر رہے۔" محمود چونکا پھر کمرے میں چٹخنی لگنے کی آواز گونج اٹھی، یہی نہیں اس نے دروازے میں لگے تالے میں چابی گھما کر جیب میں رکھ لی

"بھاگا بزدل کرتے ہیں!"

"ہاں! اس قسم کی بات آپ پہلے بھی کر چکے ہیں۔" محمود بولا

"میرے آگے سے تو اچھے اچھے بھاگ جاتے ہیں، اس لیے دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے، تھوڑی دیر بعد میں تمہیں ایک نئی بات بتاؤں گا جسے سن کر تم حیران رہ جاؤ گے۔" اس نے عجیب انداز میں کہا۔

"تو تھوڑی دیر بعد کیوں بتائیں گے، ابھی بتا دیں، ہم اس وقت بھی حیران ہونے کا وعدہ کرتے ہیں، بلکہ اگر آپ کی

صرف حیران ہونے سے نہ ہونی ہو تو ہم پریشان بھی ہو جائیں گے.... کیوں بھئی تم دونوں کا کیا خیال ہے؟"

"بہت نیک۔" محمود مسکرایا۔

"ابھی بتائے دیتا ہوں، لیکن اس سے پہلے ذرا میں ایک فون کروں گا۔" اس نے دروازے سے ہٹ کر ٹیلیفون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہماری طرف سے دس فون کرنے کی اجازت ہے۔" فاروق نے گویا حاتم طائی کی قبر پہ لات ماری۔

"بھئی اتنے سخی نہ بنو، کچھ سخاوت ہمارے لیے بھی رہنے دو۔ دو چار فون ہماری طرف سے بھی کرنے کی اجازت ہے مگر..... ارے! انہوں نے ابھی تک ہمیں اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔" محمود کہتے کہتے چونکا

"ہاں واقعی.... فون کرنے سے پہلے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ہمیں اپنا نام بتا دیں۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"مجھے میرے دوست آفت کہتے ہیں، دشمن مصیبت کہہ کر پکارتے ہیں اور نئے ملنے والوں کو میں اپنا نام گینڈا بتایا کرتا ہوں۔" اس نے نفرت سے ہونٹ سکیڑے۔

"آپ کے تینوں نام ہی بہت پیارے ہیں، اتنے پیارے نام ہم نے اس سے پہلے کبھی نہ پڑھے۔" فاروق نے

خوشی کا اظہار کیا

"ابھی جب تم تینوں کو یہ معلوم ہو گا کہ میں گینڈا کیوں کہلاتا ہوں تو تمہاری ساری خوشی ادھوری رہ جائے گی۔"

"اچھا! وہ کیوں؟" فرزانہ نے حیرت ظاہر کی۔

"اس لیے کہ تھوڑی دیر بعد مجھ میں اور ایک گینڈے میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔"

"ارے باپ رے!" فاروق نے کپکپا کر کہا۔

"ہم نے تو سنا ہے، گینڈا بہت خوفناک جانور ہے، بعض اوقات تو وہ اپنے ماتھے پر اگے ہوئے سینگ پر ہاتھی کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔"

"تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے، درندوں کے متعلق تمہاری معلومات تعریف کے قابل ہیں۔" گینڈے نے خوش ہو کر کہا۔

"تب تو تمہیں کچھ انعام دینا چاہیے۔" محمود نے بھی خوش ہو کر کہا۔

"ہاں ضرور! انعام تو میں تمہیں ضرور دوں گا، اسی لیے تو دروازہ بند کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن مہربانی فرما کر گینڈا بننے اور انعام دینے سے پہلے ہمیں وہ نئی بات ضرور بتا دیجیے گا۔" فرزانہ نے بے چینی کا اظہار کیا۔

"ہاں ضرور!" یہ کہہ کر وہ فون کی طرف بڑھا اور ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا، تینوں پریشانی کے عالم میں اسے دیکھتے رہے، اب وہ کچھ الجھن سی محسوس کر رہے تھے۔ ادھر سلسلہ جلد ہی مل گیا۔ گینڈے نے فون میں کہا:

"ہیلو! کون ...... ہاں! میں گینڈا بول رہا ہوں، اس کیس کے سلسلے میں میں کہاں تک جا سکتا ہوں، کیا کہا، ہاں، کچھ ایسا ہی معاملہ درپیش ہے، بہت خوب! بس میں یہی اجازت چاہتا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑا، چند لمحے مذاق اڑانے والے انداز میں کولہوں پہ ہاتھ رکھے انہیں دیکھتا رہا، پھر بولا:

"فون کی گھنٹی سنتے ہی جب میری آنکھ کھلی تو میں نے تمہیں اسی وقت پہچان لیا تھا، لیکن انجان بن گیا تھا۔"

"بس! وہ نئی بات یہی تھی۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"نہیں! وہ نئی بات یہ ہے کہ اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم تینوں انسپکٹر جمشید کے بچے ہو۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا
عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"دیکھو بیٹی! تمہارے ابا جان نے بے شک ایک بڑا
جرم کیا ہے، لیکن پھر بھی انہیں بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔
میں تو ان کی مدد کرنے آیا تھا، اس پریشانی سے نجات
دلانے آیا تھا، لیکن ان کے بھاگ جانے کی وجہ سے
کھیل بگڑ گیا، اب شاید میں ان کے لیے کچھ نہ کر سکوں،
خیر اگر وہ پھر آئیں تو انہیں فوراً مجھ سے ملنے کا مشورہ
دیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ خود میرے پاس آ
گئے تو میں انہیں بچا لوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ! آپ بہت اچھے ہیں لیکن میں
انہیں آپ کے بارے میں بتاؤں گی کیا؟"
انہوں نے اپنا کارڈ نکال کر لڑکی کو تھما دیا اور واپس
جانے کے لیے مڑ گئے، محمد حسین آزاد بھی ان کے پیچھے چل
پڑا۔ لڑکی نے کارڈ پہ لکھا نام پڑھا اور دھک سے رہ گئی

ہلے ان کی طرف دیکھا اور پھر بدحواسی کے عالم میں اندر
ی طرف دوڑی:
"امی امی! وہ جو صبح ہمیں دو سو روپے دے گئے
تے نا، وہ...... وہ انسپکٹر جمشید تھے!"
"کیا!" اس کی ماں کے منہ سے چیخنے کے انداز میں
نکلا، چند لمحے تک خاموشی رہی پھر ماں نے کہا:
"کاش، تمہارے ابا جان نہ بھاگے ہوتے، ان سے
ل لیتے۔"
انسپکٹر جمشید گلی سے نکل کر جیپ تک آئے اور اس
یں بیٹھ گئے۔

"میرا خیال ہے، سر! رستم بیگ اندر ہی چھپا ہوا ہے۔"
سین آزاد نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
"نہیں بھئی! اگر لڑکی نے جھوٹ بولا ہوتا تو میں
وراً جان لیتا۔" انہوں نے جواب دیا۔
اب ان کے پاس تفتیش کا اور کوئی راستہ نہیں تھا،
لہٰذا واپس لوٹنے کے سوا کیا کر سکتے تھے۔ گھر پہنچے تو
یگم نے بتایا:
"ڈرائنگ روم میں دو عدد مہمان آپ کا انتظار کر
ہے ہیں۔"

"وہ کون ہیں" انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"شکل صورت سے تو بدمعاش قسم کے لوگ نظر آتے ہیں" انہوں نے جواب دیا۔

"اور تم نے انہیں اندر بیٹھ جانے دیا، اگر وہ کوئی گڑ بڑ کر بیٹھتے" انسپکٹر جمشید نے انہیں گھورا۔

"تو میں ان سے نبٹ لیتی" وہ بولیں۔

"خیر! میں دیکھتا ہوں، وہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں"

یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے، پھر جونہی وہ اندر داخل ہوئے، ٹھٹک کر رک گئے۔ اندر واقعی دو بدمعاش بیٹھے تھے۔ ان دونوں بدمعاشوں سے ان کی مڈبھیڑ کچھ عرصہ پہلے ایک کیس کے دوران ہوئی تھی اور انہوں نے دونوں کو گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا تھا، لیکن اس وقت وہ ان کے ڈرائنگ روم میں تھے۔ ان دونوں کے نام شنتو اور مانٹو تھے۔

"ہیلو شنتو اور مانٹو! تم لوگ جیل سے کب آئے" انسپکٹر جمشید نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"کل ہی رہا ہوئے ہیں اور آپ کے پاس حاضر ہو گئے ہیں" شنتو بولا

"ارادے تو نیک ہیں"

"جی ہاں! ہم سیدھے راستے کی تلاش میں آئے ہیں" مانٹو نے کہا۔

"سیدھا راستہ..... کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"مطلب یہ کہ جرائم کی زندگی سے تنگ آ گئے ہیں اور اب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ باقی زندگی ایمانداری سے بسر کریں گے"

"بہت خوب! لیکن تم میرے پاس کیوں آئے، اس ارادے کے بعد تو تمہیں کوئی نوکری تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی" وہ بولے۔

"جی ہاں! ہم نے کل اور آج ملازمت کے لیے خوب دوڑ دھوپ کی، لیکن کوئی بھی ہمیں ملازمت دینے پر تیار نہیں، ہر کوئی یہی خیال کرتا ہے کہ ہم اسے ضرور دھوکا دیں گے"

"ہوں! اور اس لیے تم میرے پاس آئے ہو، خیر میں تمہارے لیے کام ضرور نکالوں گا، ویسے کیا تم بتا سکتے ہو کہ جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایسا کون ہے جو شدید گرمی میں بھی مفلر لپیٹے رہتا ہے"

"مفلر! اوہ سمجھا، آپ گینڈے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں"

"گینڈا — یہ نام میں پہلی مرتبہ سن رہا ہوں۔"

"وہ بہت خطرناک آدمی ہے، سر پہ مفلر ہر وقت اس لیے لپیٹے رکھتا ہے کہ اس کا سر بہت ہی بد وضع ہے، بالکل کسی مینارے جیسا اور نیچے سے گنبد جیسا، خود کو گینڈا کہتا ہے۔ سر کے اوپر والے حصے کو گینڈے کے سینگ کی طرح استعمال کرتا ہے، اس کے سینگ کی زد میں آجانے والا بچ نہیں سکتا..... کم بخت طاقت ور بھی اتنا ہے کہ کیا بتائیں.... لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ایک کیس کے سلسلے میں اس کی تلاش میں ہوں، تم یہ بھی ضرور بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں مل سکتا ہے اور اس کا مشغلہ کیا ہے؟"

"انتہائی خطرناک کاموں کے لیے اس کا چناؤ کیا جاتا ہے، وہ اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے، جیل جانے سے پہلے ہم اس کے ایک ٹھکانے سے واقف ہیں، اب خدا جانے وہ وہاں ہوتا ہے یا نہیں۔"

"کیا تم مجھے اس ٹھکانے تک لے جا سکتے ہو؟" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں! کیوں نہیں، ہم تو کہہ چکے ہیں کہ جرائم سے تنگ آ چکے ہیں اور سیدھے راستے کی تلاش میں ہیں۔"

"تو پھر چلو! میں اسی وقت چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

گینڈا اور فادر

دروازے پر دستک کی آواز نے گینڈے کو چونکا دیا۔ اس نے تینوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"کیا اپنے والد کو بھی ساتھ ہی لائے تھے؟"

"نہیں! یہ کوئی تمہارا ملاقاتی ہوگا۔" محمود بولا۔

گینڈا دروازے کے قریب چلا گیا اور اس کے درمیانی [illegible]ے پر منہ رکھ کر بولا:

"باہر کون ہے؟"

"آرتی! ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔" باہر سے آواز آئی۔

"اوہ آرتی — یہ تم ہو۔"

"ہاں! یہ میں ہی ہوں، تم نے دروازہ اندر سے بند کیوں رکھا ہے، تم تو کبھی دروازے اندر سے بند نہیں کرتے۔" اسے کہا گیا۔

"اس وقت ضرور کرتا ہوں جب اندر سے کسی کے بھاگ

انہوں نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر نکل آئے۔ چند
سیکنڈ بعد ہی وہ ان دونوں کو جیپ میں بٹھائے اڑے جا رہے
تھے۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ ایک گلی کے موڑ
پر جیپ سے اترے اور گلی میں داخل ہو گئے۔ زرد رنگ کے
ایک دروازے پر رکتے ہوئے شتو نے کہا:

"وہ یہاں رہا کرتا تھا۔"

"ٹھیک ہے! دروازے پر دستک دو۔" انہوں نے کہا۔

شتو نے دروازے پر دستک دی، چند لمحوں بعد قدموں کی
چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا، دوسرے ہی لمحے ایک
جمشید حیرت زدہ رہ گئے، ان کے سامنے رستم بیگ کھڑا تھا۔
ساتھ ہی رستم بیگ کا رنگ اڑ گیا، وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

نے کا خطرہ ہو۔" اس نے ہنس کر کہا اور دروازہ کھول دیا۔
ر ہی لمحے ایک چھوٹے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس
ساتھ ہی گینڈے نے دروازے کو پھر تالا لگا دیا۔

انہوں نے دیکھا، آنے والے کا رنگ زرد تھا، آنکھیں اندر
دھنسی ہوئیں، کندھے جھکے ہوئے اور ناک پکوڑا سی تھی۔
ود کو وہ آدمی بہت خطرناک لگا۔ ابھی تک تو وہ ایک
گینڈے سے ہی دوچار تھا، اب وہ دو ہو گئے تھے۔ تاہم
ابھی تک محمود، فاروق اور فرزانہ کو کوئی گھبراہٹ محسوس
نہیں ہوئی تھی۔

"فادر یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔" گینڈے نے
ان کا تعارف کرایا۔

"اوہ! لیکن یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" آنے والے کے
منہ سے نکلا، گینڈے نے اسے فادر کہہ کر پکارا تھا۔

"پکڑے ہیں فی الحال تو۔" گینڈا مسکرایا۔

"یہاں تک پہنچ کیسے گئے؟" فادر نے پوچھا۔

"ہاں واقعی! یہ تو اب تک ان سے میں نے بھی نہیں پوچھا۔
کیوں بھئی، یہاں تک کس طرح پہنچ گئے تم لوگ؟"

"الہ دین کے چراغ کی مدد سے۔" فاروق نے کہا۔

"اوہو اچھا، بھئی واہ۔" گینڈے نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھا فادر، کیسے بچے ہیں۔"

"اچھے ہیں، مجھے ان پر ترس آرہا ہے، انہیں جانے دو۔" فادر بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو فادر، تمہیں ان پر ترس آرہا ہے، لیکن یاد رکھو، اگر ہم نے انہیں جانے دیا تو یہ جا کر اپنے والد کو بلا لائیں گے۔"

"تو کیا ہوا، دیکھ لیں گے اسے بھی۔" فادر نے کہا۔

"مسٹر گینڈے! آپ کے ابا جان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" فاروق بول پڑا۔

"ابا جان! کیا مطلب؟" گینڈا چونکا پھر ہنس کر بولا:

"بے وقوفو! یہ میرے ابا جان نہیں ہیں، ان کا نام فادر ہے۔"

"یہ عجیب نام ہے۔"

"دراصل یہ پیشے کے لحاظ سے فادر کہلاتے ہیں، جیسے کچھ لوگ دادا کہلاتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! تو یہ اس دادا کے بیٹے ہیں۔" فاروق نے کہا اور محمود اور فرزانہ کی ہنسی نکل گئی۔

"بہت دانت نکل رہے ہیں، سارے جھاڑ کے رکھ دوں گا۔" گینڈا غرایا۔

"کیا دانتوں کی دکان کھولنے کا ارادہ ہے۔" فاروق نے بھی

اسی کے انداز سے کہا۔

"بہت بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں یہ تو۔" اس مرتبہ فادر نے کہا۔

"ہاں! ان کے متعلق میں بہت کچھ سن چکا ہوں، بہت باتیں بناتے ہیں، سنا ہے ہاتھ پیر بھی خوب چلا لیتے ہیں، لیکن آج چوکڑیاں بھول جائیں گے۔"

"معاف کرنا گینڈے صاحب، عرف مصیبت جمع آفت صاحب، ہم چوکڑیاں بھرتے ہی نہیں تو بھول کیسے جائیں گے۔" فرزانہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"بھئی گینڈے، یہ مقابلہ میں بھی دیکھوں گا۔" فادر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مقابلہ — کیسا مقابلہ — یہ اور میرے مقابلے پر اتر سکیں گے، ناممکن۔" گینڈے نے پر غرور لہجے میں کہا۔

"سوال یہ ہے کہ ان کا کرو گے کیا۔"

"اچار ڈالوں گا۔" گینڈے نے کہا۔

"بھئی دیکھ لو، بہت مشکل سے گلے گا یہ اچار۔" فادر ہنسا۔

"دیکھا جائے گا۔"

گینڈے کی باتیں محمود اور فاروق کو غصہ دلا رہی تھیں، لیکن فرزانہ خود کو غصے سے محفوظ رکھنے میں کامیاب تھی۔

جب ان دونوں کی طنزیہ باتیں کسی طرح نہ رکیں تو محمود
چلا اٹھا:

"بہت ڈینگیں مار چکے، اب کوئی عملی قدم بھی اٹھا کر
دکھاؤ۔"

"اوہو، تو آخر چیونٹی کے پر نکل ہی آئے۔"

"ہاں! کیا تم پر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔" محمود
غرایا۔

"یہی سمجھ لو۔" اس نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

محمود اب خود کو کسی طرح نہ روک سکا، ہوا میں اچھلا
اور گینڈے کے سینے پر ٹکر دے ماری۔ اس کی دونوں لاتیں
بھرپور انداز میں گینڈے کے سینے سے ٹکرائیں مگر وہ اپنی جگہ
سے ہلا بھی نہیں بلکہ پرسکون انداز میں مسکرا کر بولا:
"برسوں مشق کی ہے اس قسم کی لڑائیوں کی، تم تو ابھی کل
کے بچے ہو۔"

محمود نیچے گرتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حیرت زدہ انداز
میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"محمود! کیا تم خود کو بے بس محسوس کر رہے ہو۔" فرزانہ نے
پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں، فرزانہ ایسی کوئی بات نہیں، تم فکر نہ کرو۔"

"ہاں! اس وقت بھی فکر نہ کرنا جب اس کی چٹنی بن
جائے۔" گینڈا بولا۔

"بھئی گینڈے! تم عجیب آدمی ہو، ابھی ابھی تو ان کا
اچار ڈالنے کی بات کر رہے تھے اور اب لگے بنانے چٹنی۔"
فاروق نے آنکھیں گھمائیں۔

"بعض اوقات کھیر بناتے بناتے دلیہ بن جایا کرتا ہے، یہ
تو تم نے سنا ہوگا فاروق، یہاں بھی صورتحال کچھ ایسی ہی ہے،
ہو سکتا ہے اچار ڈالتے ڈالتے ان کی چٹنی بن جائے۔"

"خیر کوئی بات نہیں، چیزیں دونوں ہی مزے دار ہوتی
ہیں۔" فاروق نے کہا

محمود کا پارہ چڑھ گیا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سر کی
ٹکر گینڈے کی کمر پہ دے ماری، یہ ٹکر بھی اس نے بچانے
کی کوشش نہیں کی، بلکہ جونہی محمود کا سر اس کی کمر سے ٹکرایا
اس نے بازو میں اس کا سر جکڑ لیا اور آگے کی طرف اس
کو جھٹکا دیا، محمود کسی گیند کی طرح دیوار کی طرف چلا،
لیکن راستے میں فاروق کھڑا تھا، لہٰذا وہ اس سے ٹکرایا
اور دونوں فرش پہ ڈھیر ہو گئے، ورنہ محمود کا سر دیوار
سے ٹکرا گیا تھا۔

"ابھی تو شکر کرو کہ میں اپنا سر استعمال نہیں کر رہا

ہوں ، ورنہ تمہیں سچ مچ کے گینڈے سے مقابلے کا مزا آ جاتا۔"
گینڈے نے کہا

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" فاروق نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اب
وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا، کیونکہ محمود میں تو اب سکت
نہیں رہ گئی تھی۔

"اب تم کس رخ سے حملہ کرو گے؟" گینڈے نے مذاق
اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"دیکھتے جاؤ۔" فاروق نے کہا اور گینڈے کی طرف دوڑ
لگا دی۔ اس کا سر آگے کو جھکا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے
سر گینڈے کے سینے سے زور سے ٹکرایا، لیکن وہ اب
بھی نہ ہلا، البتہ فاروق کا بازو اس کے ہاتھ میں ضرور آ
گیا۔ اس نے اس کے بازو کو بھی جھٹکا دیا اور فاروق ہوا میں
اڑتا ہوا دیوار کی طرف چلا، فرزانہ اگر پھرتی سے اس کے
راستے میں نہ آ جاتی تو وہ دیوار سے اس بری طرح ٹکراتا
کہ ہڈیاں چور ہو جاتیں، لیکن فرزانہ کے راستے میں آ جانے سے
یہ ہوا کہ وہ اس زور سے گرا کر ہوش ہوا ہو گئے۔

"بھئی گینڈے! ان کا آپس میں جذبۂ قربانی قابلِ تعریف
ہے، ایک دوسرے کو بچانے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔"
فادر نے کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے، میرا خیال ہے، اب ان کے دم خم
ختم ہو گئے، آؤ ہم بیٹھ کر باتیں کریں۔" گینڈے نے کہا۔

"اور تم نے بھی بڑی شرافت کا ثبوت دیا، اگر تم اپنا
سر استعمال کر بیٹھتے تو اس وقت ان کی لاشیں یہاں تڑپ
رہی ہوتیں۔" فادر نے اس طرح کہا جیسے تفریحاً کوئی بات
کرتا ہو۔

"فادر تم تو جانتے ہو، سر میں وہاں استعمال کرتا ہوں جہاں
ہاتھوں سے کام نہ چلے۔" گینڈا ہنسا، لیکن پھر اس کی ہنسی
رک گئی۔ فرزانہ اس کے سامنے تنی کھڑی تھی، جب کہ انہیں
ایسی امید نہیں تھی۔

"میں تم سے ان دونوں کا انتقام لوں گی۔"

"ہا ہا ہا...... بہت خوب!" گینڈے نے قہقہہ لگایا۔
فرزانہ کھڑی گینڈے کو گھورتی رہی، اس نے اپنی جگہ
سے نہ آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی، نہ چھلانگ لگا کر حملہ
کرنے کی۔

"تو کھڑی کیوں ہو گئیں، آؤ تم بھی۔"

"اگر اتنے ہی بہادر ہو تو خود کیوں نہیں بڑھتے۔"

"اچھا یہ بات ہے، لو سنبھالو میرا مکا۔"

یہ کہہ کر اس نے مکا فرزانہ کی ناک کا نشانہ لے کر مارا،

فرزانہ ایک دم نیچے بیٹھ گئی اور نیچے بیٹھتے ہی اس کی ٹانگوں میں سے نکل کر کمر کی طرف آ گئی، لیکن کمر پر وار کرنے کی اس نے اب بھی کوشش نہ کی، کیونکہ وہ محمود اور فاروق کی ٹکروں کا انجام دیکھ چکی تھی، صاف ظاہر تھا کہ وہ ان سے زیادہ زور سے ٹکر مار نہیں سکتی تھی۔

گینڈا جھلا کر مڑا اور دایاں ہاتھ تیزی سے گھمایا۔ فرزانہ پھر جھک گئی۔ گینڈے نے ٹانگ چلائی اور اتفاق کی بات کہ یہ ٹانگ فرزانہ نہ بچا سکی، کیونکہ گینڈے نے بجلی کی سی تیزی سے وار کیا تھا۔

اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ پیٹ پکڑ کر تڑپنے لگی۔

"فرزانہ!" محمود اور فاروق ایک ساتھ چلائے۔ ساتھ ہی جوش میں آ کر انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن پھر گر گئے۔

"یہ لیا اپنے بھائیوں کا انتقام"

گینڈے نے کہا اور ہاتھ جھاڑنے لگا۔

"اب ان کا کیا کریں" خاور نے پوچھا۔

"پڑا رہنے دو، ہمارا کیا لیتے ہیں، جب ان میں پھر

ہاں آئے گی تو پھر مقابلہ کر کے دیکھ لیں گے" گینڈا بولا۔

"اب ان بیچاروں میں جان کیا آئے گی، ایک دو ہفتے تک تو ہسپتال میں پڑے رہنا پڑے گا، ارے ہاں! اب ان سے پوچھو، یہ یہاں تک کس طرح پہنچے ہیں، کیونکہ اگر ان کے پاس الہ دین کا چراغ ہوتا تو اس وقت یہ اس طرح نہ پڑے ہوتے، اس کا مطلب ہے، انہوں نے جھوٹ بولا تھا"

"ہاں بتاؤ بیٹی، تم لوگ کس طرح یہاں آ گئے"

"ہم ادھر سے گذر رہے تھے کہ کھڑکی میں سے ہمیں مفلر نظر آ گیا، اس مفلر کو میں اچھی طرح پہچانتی تھی، چنانچہ ہم اوپر آ گئے" فرزانہ نے پیٹ پکڑے ہوئے کہا۔ اب اس کا تڑپنا بند ہو گیا تھا اور تکلیف میں پہلے کی نسبت کمی ہو گئی تھی۔

"لیکن تم ادھر سے گذر کیوں رہے تھے"

"ہمارے گھر یہاں سے نزدیک ہی ہے اور ادھر سے گذرنا جرم بھی نہیں، بس اس لیے گذر رہے تھے" محمود بولا۔

"معلوم ہوتا ہے، یہ کسی خاص وجہ سے ادھر آئے تھے" خاور نے کہا۔

"ہوں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، سنا ہے، یہ بڑے سراغرساں بنتے ہیں، ضرور کسی طرح میرا سراغ انہوں نے لگا لیا ہوگا، خیر دیکھا جائے گا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، گینڈے نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دوسری طرف کی بات سننے لگا۔ وہ اس کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ فادر بھی اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بولا:

"چلو فادر! نیا آرڈر ملا ہے۔"

خوفناک حکم

"تو تم یہاں چھپے ہوئے ہو رستم بیگ!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ.... آپ" وہ ہکلایا۔

"ہاں میں! کیا خیال ہے، تمہیں گرفتار کر لیا جائے۔"

"خدا کے لیے اندر آ کر میری بات سن لیں، پھر آپ کا جو جی چاہے، کر لیجئے گا۔"

"اچھی بات ہے، میں تمہاری بات ضرور سنوں گا۔ آؤ بھئی شتو اور مانٹو، اگر تم اتفاق سے نہ آجاتے تو نہ جانے مجھے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے اور ان لوگوں کی تلاش میں کہاں کہاں کی خاک چھاننا پڑتی، شاید تم گینڈے کا کوئی اور ٹھکانہ بھی بتا سکو۔"

"وہ ٹھکانہ اس سے بھی پہلا ٹھکانہ ہے، اگر وہ یہاں نہیں ملا تو وہاں کیا ملے گا۔" شتو بولا۔

"پھر بھی ہم دیکھیں گے ضرور، پہلے اس کی بات سن لیں۔"

یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا، جونہی دروازہ بند ہوا، رستم بیگ نے زمین پر بیٹھ کر انسپکٹر جمشید کے پاؤں پکڑ لیے۔

"مجھے بچا لیں، میں بہت غریب ہوں، اس غربت نے کہیں کا نہ چھوڑا، گھر کا گزارا تنخواہ میں بالکل نہیں ہوتا، اوپر سے بیٹی کے جہیز کا بندوبست کرنا ہے، ایک پہاڑ ہے جو میرے سامنے کھڑا ہے، انہی حالات سے تنگ آ کر میں نے ان کی بات مان لی تھی۔"

"پہلے پوری تفصیل سناؤ۔"

"زرد سی رنگت والا ایک آدمی چند روز پہلے میرے گھر آیا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر میں ان کی ہدایات کے مطابق کچھ کام کر دوں تو وہ مجھے پانچ ہزار روپے دیں گے، میں لالچ میں آ گیا اور کام پوچھا، لیکن انہوں نے کہا کام وقت پر بتا دیا جائے گا۔ کل وہ دفتر آیا اور بولا، اس وقت انسپکٹر صاحب کے دفتر میں کوئی ملاقاتی آیا ہے، ان کی گفتگو کسی طرح سن کر ہمیں بتا دو، بس میں آپ کے چپراسی کے پاس سگریٹ پینے کے بہانے دروازے پر جا

ر بیٹھ گیا۔ اس وقت اندر آپ کے پاس کوئی امیر ارسلان
بیٹھا تھا۔ میں نے آپ دونوں کے درمیان ہونے والی بات
ے بتا دی، اس نے اس وقت دو ہزار روپے کے نوٹ
ے تھما دیے اور کہا کہ باقی پھر ملیں گے۔ آج وہ پھر
اور اس نے فائل اڑانے کی ہدایت کی، میں ڈرا اور
کار کیا، لیکن اس نے دھمکی دی کہ اگر کام نہ کیا تو دفتر
والوں کو یہ اطلاع دے دی جائے گی کہ میں نے امیر ارسلان
ور آپ کے درمیان ہونے والی گفتگو باہر کسی کو سنائی ہے،
ت کے طور پر وہ گفتگو بھی خط میں لکھ دی جائے گی۔
ب تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور میں فائل
ڑانے پر مجبور ہو گیا۔ فائل آپ نے تھوڑی ہی دیر پہلے
یکارڈ کیپر صاحب سے منگوائی تھی۔ بس میں موقعے کی تاک
رہا اور جونہی بابا فضل ادھر ادھر ہوا، میں اندر داخل
گیا اور سب انسپکٹر صاحب کے سر پہ پیپر ویٹ دے مارا،
پیپر ویٹ میں پہلے ہی ہاتھ میں چھپا کر لے گیا تھا۔ میں
جلدی سے فائل اٹھائی اور لا کر اس زرد چہرے والے
ے دے دی۔ اس وقت اس نے کہا کہ میں چھٹی لے کر
ماں سے نکل جاؤں، اگر مجھ پہ شک نہ کیا گیا تو دوسرے
ن ڈیوٹی پہ آ جاؤں، وہ مجھے اس مکان میں لے آیا اور

ہمیں چھپے رہنے کی ہدایت کی، کچھ دیر بعد آیا اور بتایا
کہ میرا بھید کھل گیا ہے، اب میں اپنی ڈیوٹی پہ گیا تو گرفتار
کر لیا جاؤں گا۔ میں رونے لگا اور زرد چہرے والا چلا گیا،
میں بعد میں ہمت کر کے اپنے گھر گیا کہ انہیں حالات
بتا دوں، لیکن وہاں مجھے محمد حسین آزاد حوالدار نظر آیا
اور میں سمجھ گیا کہ مکان کی نگرانی ہو رہی ہے، پھر بھی میں
اندر گیا، انہیں ساری بات بتائی اور کھڑکی کے راستے یہاں
واپس آ گیا، یہ ہے میری کل کہانی، میں تباہ ہو گیا، لٹ
گیا، اب میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔" یہ کہہ کر

وہ خاموش ہو گیا۔

"تم لوگ جرم کرنے کے بعد پچھتاتے ہو، حالانکہ پہلے
ہی اپنا آپ بچا لینا چاہیے۔ غریبی اور تنگ دستی چلتی
رہتی ہے۔ تم میرے پاس آ کر اگر اپنے حالات بتاتے
میں نہ صرف خود مدد کرتا بلکہ اپنے دوستوں سے بھی
کچھ دلا دیتا، خیر اب تم میرے ساتھ چلو، تمہارا تحریری ب
لیا جائے گا، تم سرکاری گواہ بنو گے اور میں تمہیں س
لوں گا، لیکن تم آئندہ کبھی اس قسم کا کوئی
نہیں کرو گے۔"

"ہرگز نہیں، خدا آپ کو خوش رکھے۔" اس

آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"چلو اٹھو!" انہوں نے کہا۔

اسی وقت وہ سب چونک اٹھے، دروازے پر دستک
ہوئی تھی۔

گینڈا اور فادر نے انہیں کمرے میں اسی حالت میں
چھوڑا اور خود باہر نکل کر دروازے کا تالا لگا دیا، انہوں
نے تینوں کو باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"نیا حکم کیا ملا ہے؟" فادر نے پوچھا۔

"نیا حکم یہ ہے کہ رستم بیگ چپراسی کو فوری طور پر
ختم کر دیا جائے، کیونکہ وہ مجھے پہچانتا ہے، اگر انسپکٹر جمشید
اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر وہ عدالت میں
مجھے پہچان لے گا، باس کا خیال ہے کہ اگر میں پکڑا گیا
تو میں پولیس کو باس کے بارے میں بتانے پر مجبور کر
دیا جاؤں گا، لہٰذا بہتر طریقہ یہی ہے کہ ایسا موقع آنے
کی نوبت ہی نہ آئے۔"

"تو کیا اس وقت تم اپنے پرانے ٹھکانے پر چل رہے
ہو۔" فادر نے کہا۔

"ہاں! میں نے رستم بیگ کو وہیں چھپے رہنے کی ہدایت
کر رکھی ہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"پھر تو کام بہت آسان ثابت ہوگا۔"

"اور کیا۔" گینڈے کے منہ سے نکلا۔

"لیکن ان تینوں کا کیا کرو گے۔" فادر نے پوچھا۔

"باس سے پوچھ لیں گے، اس کی مرضی کے خلاف
ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" گینڈے نے جواب دیا۔

"اس وقت تک انسپکٹر جمشید کے ان کی مدد کے
لیے نہ پہنچنے کا مطلب یہی ہے کہ انہیں نہیں معلوم،
تینوں کہاں ہیں۔" فادر نے سوچ کر کہا۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"اس صورت میں اگر ان کا کانٹا بھی نکال دیا جائے تو
کیا یہ بہتر نہیں ہوگا، ان سے بھی ہمارے ہم پیشہ اکثر پریشان
رہتے ہیں۔"

"میں نے کہا نا فادر، جو باس کہے گا، کر لیں گے..... پہلے
تو رستم بیگ کا بندوبست کرنا ہے۔"

دونوں پیدل ہی چلتے رہے، انہوں نے کوئی رکشہ یا

ٹیکسی پکڑنے کی کوشش نہیں کی، شاید انہیں زیادہ دور
نہیں جانا تھا۔ آخر ایک دروازے پر پہنچ کر انہوں نے
دستک دی۔ کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی
اور دروازہ کھل گیا۔

انہوں نے دیکھا دروازہ کھولنے والا رستم بیگ ہی تھا۔

"اوہ تم..... تم۔" رستم بیگ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اندر چلو، ہمیں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی
ہیں، کچھ ہدایات دینی ہیں، ویسے تم فکر نہ کرو، تمہارے
لیے نئی ملازمت کا انتظام کر دیا گیا ہے اور ابھی
تھوڑی دیر بعد تم اس ملازمت پر روانہ ہو جاؤ گے۔"
یہ کہتے ہوئے گینڈا اندر داخل ہو گیا، اس کے پیچھے
فادر بھی آ گیا۔ گینڈے نے دروازہ بند کر لیا۔

"تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا، مجرم بنا دیا۔" رستم بیگ
نے کہا۔

"فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" گینڈے
نے کہا۔

رستم بیگ ان کے ساتھ چلتا ہوا مکان کے اندر
کسی کمرے تک آ گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے انسپکٹر جمشید
اور دوسرے بھی موجود تھے، لیکن اب کمرہ بالکل خالی پڑا

تھا جیسے مدتوں سے اس میں کوئی نہ آیا ہو۔

یہ اس مکان کا ڈرائنگ روم تھا۔ دروازے اور کھڑکیوں پہ بھاری پردے لٹک رہے تھے۔

"رستم بیگ تمہارے لیے ہمارے باس کا ایک نیا حکم ملا ہے۔" گگنبڈے نے خوش ہو کر کہا۔

"نیا حکم! کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہاری روانگی کا سامان کر دیا جائے، اب تم یہ بتاؤ، کس طرح مرنا پسند کرو گے، تم ہمارے بہت کام آئے ہو لہٰذا میں چاہتا ہوں، تمہیں کم سے کم تکلیف ہو۔"

"نہیں!" رستم بیگ خوف زدہ انداز میں چلا اٹھا۔

"دیکھو بھائی! بات یہ ہے کہ انسپکٹر جمشید تمہاری تلاش میں ہے، اگر وہ تم تک پہنچ گئے تو تمہیں سلطانی گواہ بنا لیں گے اور تم عدالت میں میرے خلاف بیان دو گے، لہٰذا میں اپنے جرم کا کوئی ثبوت کیوں چھوڑوں، ہاں تم یہ ضرور بتا سکتے ہو کہ ہم کون سا طریقہ اختیار کریں۔"

"نہیں نہیں!" رستم بیگ نے خوف سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"بھئی گبنڈے میرے خیال میں یہ بیچارہ کچھ نہیں

بتائے گا، ہمیں خود ہی یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ کون سا طریقہ بہتر رہے گا، میرے خیال میں ہاتھ کی ہڈی مار کر گردن توڑنے والے طریقے سے بہتر کوئی طریقہ نہیں، اس میں نہ کوئی ہتھیار استعمال کرنا پڑتا ہے، نہ خون بہتا ہے اور شکار چند منٹ تڑپنے کے بعد چپ چاپ دوسری دنیا کی طرف نکل جاتا ہے، کیا خیال ہے؟" فادر نے بے رحم انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک خیال ہے۔"

دونوں ایک ساتھ رستم بیگ کی طرف بڑھنے لگے، وہ ڈرے ڈرے انداز میں پیچھے ہٹتا چلا گیا یہاں تک کہ دیوار سے جا لگا۔

"ہاہا! اب کیسے پیچھے ہٹو گے۔"

"نہیں نہیں۔" رستم بیگ خوفزدہ انداز میں چلایا۔

"اب تمہاری نہیں نہیں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، لالچ انسان کو بعض اوقات ایسی ہی منزلوں پہ لے آتا ہے۔"

گیننڈے نے کہا اور دایاں ہاتھ اوپر اٹھا لیا اس نے رستم بیگ کی گردن کا نشانہ لے رکھا تھا، لیکن پھر اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

ایک پردے کے پیچھے سے اسی وقت انسپکٹر جمشید نکل کر رستم بیگ کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔

گینڈے اور فادر کی آنکھوں میں شدید حیرت جھلک اٹھی اور عین اسی وقت ایک بار پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ وہ سب ایک ساتھ چونکے۔

٭٭٭

باس آ رہا ہے

دستک کی آواز کے ساتھ ہی شتو اور مانٹو بھی اندر سے نکل آئے۔ انہیں دیکھ کر گینڈے اور فادر کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

"تو تم دونوں نے انسپکٹر جمشید کو اس گھر کا راستہ دکھایا ہے۔"

"ہاں!" شتو نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن کیوں، میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا، جہاں تک مجھے یاد ہے، ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں۔" گینڈے نے چلا کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن ہم نے برے کام چھوڑ دیے ہیں، اسی لیے اچھے لوگوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"تب تم دونوں کو یہ ساتھ دینا مہنگا پڑے گا۔" گینڈے نے غرا کر کہا اور ہاتھ کی ہڈی رستم بیگ کی

بجائے انسپکٹر جمشید کی گردن پہ دے ماری، لیکن انہوں
نے یہ وار اپنے ہاتھ کی ہڈی پر روکا اور کمرے میں ایسی آواز
گونجی جیسے دو ناریل ٹکرائے ہوں، اس کے ساتھ ہی انسپکٹر
جمشید نے شتو سے کہا:

"تم باہر جاکر دیکھو، دروازے پر کون ہے، وہ جو کوئی
بھی ہے، اسے اندر لے آنا۔"

"جی اچھا!" شتو نے کہا اور باہر چلا گیا۔ اس دوران دستک
ایک بار پھر ہو چکی تھی، ادھر گینڈا پینترا بدل چکا تھا
اور اپنے سر سے حملہ کرنے کی تیاری کر چکا تھا۔

"انسپکٹر صاحب! اس کے سر سے بچیے۔" مانٹو خوفزدہ
انداز میں چلایا، اس کی آواز نے جیسے گینڈے کو جھنجوڑ
کر رکھ دیا، چلا کر بولا:

"خاور! تم اسے دیکھو۔"

"اچھا! لیکن دیکھ تو میں اسے بہت پہلے سے
رہا ہوں، خیر تم کہتے ہو تو اب غور سے دیکھنا شروع
کر دیتا ہوں۔"

اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ پھر وہ مانٹو کی طرف
لپکا۔ مانٹو چھلانگ لگا کر کمرے کے دوسری طرف چلا گیا،
تاکہ کہیں انسپکٹر جمشید اور گینڈے کی لڑائی میں نہ الجھ

جائے، اب کمرے میں لڑائی کے دو منظر ساتھ ساتھ
دیکھے جا سکتے تھے۔

گینڈے نے انسپکٹر جمشید کے پیٹ کا نشانہ لے کر
اپنا سر جھکا لیا اور تیر کی طرح ان کی طرف آیا، لیکن انسپکٹر
جمشید ایک پاؤں پر گھوم گئے اور گینڈا اپنی ہی جھونک
میں دیوار کی چلا گیا، لیکن اس نے پھرتی سے دونوں ہاتھ
دیوار پر لگا کر سر کو بچا لیا۔ ادھر خاور نے تیزی سے
جھک کر مانٹو کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا تھا اور اسے
تیزی سے گردش دے رہا تھا، ساتھ ہی اس نے
چلا کر کہا:

"گینڈے تم ہٹ جاؤ! میں ایک تیر سے کئی شکار
کرنے کا عادی ہوں، ابھی مانٹو کو انسپکٹر جمشید پہ دے
ماروں گا اور یہ دونوں ڈھیر ہو جائیں گے۔"

گینڈے کی سمجھ میں بات آ گئی، وہ ایک دم پیچھے
ہٹ گیا اور پھر ایک ساتھ دو باتیں ہوئیں، ادھر تو
خاور نے مانٹو کو انسپکٹر جمشید پر پھینک مارا، ادھر
ڈرائنگ روم میں شتو کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ
داخل ہوا، فوراً ہی ایک چہکتی ہوئی آواز ان سب
کے کانوں سے ٹکرائی:

"ارے! یہاں تو کبڈی کھیلی جا رہی ہے۔"

یہ فاروق کی آواز تھی۔ گینڈا اور خاور زور سے چونکے، ادھر انسپکٹر جمشید نے مانٹوں کو اس طرح دبوچ لیا کہ وہ گرنے سے محفوظ رہا۔

"تم...... تم لوگ وہاں سے کیسے نکل آئے؟" خاور کے منہ سے نکلا۔

"ایسے کام تو ہم چٹکی بجاتے کر لیا کرتے ہیں، لیکن یہ تو بتاؤ، یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

انسپکٹر جمشید نے مانٹو کو فرش پر چھوڑ دیا، خاور کا یہ وار خالی گیا تھا۔ یہ دیکھ کر گینڈا بپھر گیا، وہ بلا کی تیزی سے آگے بڑھا اور انسپکٹر جمشید کا بازو پکڑ کر ایک زور دار جھٹکا مارا۔ اس کا خیال تھا وہ ہوا میں اڑتے ہوئے جائیں گے اور دیوار سے ٹکرا جائیں گے، لیکن ہوا یہ کہ وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں اور الٹا اس کی ناک پر ایک مکا اس زور کا رسید کیا کر اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھ کی ہڈی اس کے نوکیلے سر پر پڑی۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کا ہاتھ کسی لوہے کی چیز سے ٹکرایا ہو، لیکن ادھر گینڈے کا حال بھی برا تھا،

وہ ایک ہاتھ سے سر اور دوسرے سے ناک پکڑ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے موقع دینا مناسب نہ سمجھا اور سر پر ایک اور وار کیا۔ کوئی اور ہوتا تو ایک بار ہاتھ کی ہڈی مارنے کے بعد دوبارہ جرأت نہیں کر سکتا تھا، لیکن وہ انسپکٹر جمشید تھے، اپنے وقت کے عجیب ترین آدمی۔

دوسرے ہاتھ نے گینڈے کو فرش دکھا دیا، ادھر شنٹو اور مانٹو مل کر خاور پر ٹوٹ پڑے تھے، کیونکہ وہ ان میں سے ایک کے بس کا نہیں تھا، کم بخت بے حد پھرتیلا تھا، ان دونوں کو تگنی کا ناچ نچائے ڈال رہا تھا، یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید بولے:

"تم دونوں ہٹ جاؤ! اس سے میں نپٹتا ہوں۔"

خاور نے چونک کر گینڈے کی طرف دیکھا اور پھر جیسے اس کی ساری ہوا نکل گئی، پچک کر رہ گیا اور بولا:

"نہیں جناب! میں آپ سے مقابلہ نہیں کر سکتا، میں تو بہت بزدل آدمی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا دیے۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کی کہانی سن رہے تھے، انہوں نے وہ باتیں بھی بتائیں

جو گینڈے نے کسی سے فون پر کی تھیں، یہ سن کر انسپکٹر جمشید بولے:

"ہوں! اس کا مطلب ہے، یہ دونوں بھی کسی اور کے لیے کام کر رہے ہیں، خیر اب گینڈا اپنے باس کو فون کرے گا اور اسے بتائے گا کہ اس نے ہم سب پہ قابو پا لیا ہے، لہٰذا باس کو چاہیے فوراً یہاں پہنچ جائے، تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ہم لوگوں کا کیا کرنا ہے، چلو گینڈے صاحب کرو اپنے باس کو فون۔"

"نہیں کروں گا۔" گینڈے نے جھلا کر کہا۔

"اچھا اپنے استاد کا نام بتاؤ۔"

"نہیں بتاؤں گا۔" اس نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

"بھئی واہ! یہ تو ایسے بول رہا ہے جیسے طوطا رٹے رٹائے جملے بولتا ہو۔" محمود بولا۔

"بہت خوب! یاد رکھو اگر تم نے فوراً اس کا نام اور فون نمبر نہ بتائے تو ایک عدد گولی تمہارے اس لمبوترے سر میں گھس جائے گی۔" یہ کہہ کر انہوں نے پستول نکال لیا اور اس کی نالی سر کے ابھرے ہوئے حصے پر رکھ دی۔ گینڈا سوچ میں پڑ گیا اور پھر بولا:

"اچھا! میں اسے فون کرتا ہوں اور یہاں آنے سے پہلے

کہتا ہوں۔"

دراصل اس نے سوچا یہ تھا کہ شاید باس کے آنے پر حالات کا پانسہ پلٹ جائے۔ اس کی بات سن کر انسپکٹر جمشید بولے:

"بہت خوب! لیکن اگر تم نے کوئی چالاکی کی تو اس صورت میں بھی گولی تمہاری کھوپڑی ضرور توڑے گی۔"

"اچھی بات ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور نمبر گھمائے سلسلہ فوراً ہی مل گیا:

"ہیلو باس! یہ میں ہوں گینڈا، انسپکٹر جمشید رستم بیگ تک پہنچ گئے تھے، لیکن عین وقت پر میں یہاں پہنچ گیا، اب صورت حال کچھ ایسی ہے کہ آپ کی موجودگی یہاں ضروری ہے.... جی.... جی اچھا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑا:

"باس آ رہا ہے۔"

فادر کی موت

"چلو اچھا ہے، تمہارے باس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ "شتو اور فانٹو تم ان دونوں کو باندھ لو۔"

وہ پستول ہاتھ میں لیے کھڑے رہے۔ شتو اور مانٹو انہیں باندھتے رہے، کمرے میں تھوڑی دیر تک بوجھل سی خاموشی طاری رہی، آخر اس خاموشی کو سب سے پہلے فاروق نے ہی محسوس کیا: "ابا جان! آخر یہ سارا چکر کیا ہے؟"

"ابھی تک سارا تو کیا، آدھا بھی سمجھ میں نہیں آیا، ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں کا باس امیر ارسلان اور خان جاوید عثمانی کو ہلاک کرانا چاہتا تھا۔ اس غرض کے لیے اس نے اپنے ان ساتھیوں کو نیلی ڈبیوں والے بم دیے، نہ جانے وہ بم اس نے کہاں سے حاصل کیے ہوں گے۔ امیر ارسلان کو تو بم پارسل کے ذریعے بھیجا گیا، لیکن خان جاوید عثمانی کے گھر سالگرہ کے تحفوں کے درمیان رکھ دیا گیا جو فرزانہ نے اٹھا کر باہر پھینکا اور اس طرح تم لوگ گینڈے تک پہنچے۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ گینڈے کا نیا ٹھکانہ ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا اور اس جگہ ہونے والی گفتگو تم نے اپنی تجربہ گاہ میں سن لی۔ فرزانہ پہلے ہی ہے پھٹ چکی تھی، گویا باس کا منصوبہ ناکام ہو گیا، وہ دونوں ں سے ایک کو بھی ہلاک نہ کر سکا۔ شاید اس لیے کہ ہم درمیان ں آ کودے تھے۔ ادھر ان لوگوں نے ہمیں بھی چوٹ پر چوٹ دی۔ میر ارسلان مجھ تک پہنچا تو انہوں نے بھی فوراً رستم بیگ کو لالچ دے کر ساتھ ملا لیا، رستم بیگ نے میرے اور امیر ارسلان کے درمیان ہونے والی گفتگو انہیں سنا دی جس سے انہیں معلوم ہو گیا کہ ارسلان والا بم پھٹ نہیں سکا اور اب وہ میرے پاس ہے۔ میں گھر پہنچا تو تم تنویر منزل کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ ادھر گینڈے کا ساتھی فادر وہاں پہنچ کر تمہاری امی کو بیہوش کر چکا تھا اور دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا، میں کمرے میں داخل ہوا تو اس نے میرے سر پر بھی کچھ دے مارا اور بم جیب سے نکال کر لے گیا، شاید ان لوگوں کو خوف تھا کہ ہم بموں کا سراغ لگاتے ہوئے اصل مجرم تک پہنچ جائیں گے، میں رستم بیگ کی تلاش میں رہا، ادھر تم گینڈے تک پہنچ گئے...... اور پھر شتو اور مانٹو اتفاق سے مجھ سے ملنے آ گئے، انہیں گینڈے کا یہ ٹھکانہ معلوم تھا، ہم یہاں دراصل گینڈے سے ملاقات کرنے آئے تھے، لیکن یہاں ملاقات ہو گئی رستم بیگ سے اور پھر گینڈا اور فادر بھی یہاں پہنچ گئے کیونکہ باس نے انہیں حکم دیا تھا کہ رستم بیگ کو ختم کر دیں۔ بس ابھی تک ہمیں یہی حالات معلوم ہیں، ان کا باس ان دونوں کو کیوں ہلاک کرانا چاہتا تھا، یہ وہی بتا سکے گا۔ ہاں اتنی بات اور ہے کہ امیر ارسلان اور خان جاوید عثمانی دونوں سونے کے بڑے تاجر ہیں، میرا خیال ہے ان دونوں کو بھی فون کر کے یہاں بلا لینا چاہیے، تاکہ یہ باس کو دیکھ کر وہ کچھ بتا سکیں...... ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔

"... ایک بات بتانے سے رہ گئی۔ اس دوران میں شہر کے ایک مشہور بدمعاش جیرن سے بھی ملا تھا اور میں نے اس سے کسی ایسے بدمعاش کے بارے میں معلوم کیا تھا جو ان دنوں بھی سر پر مفلر لپیٹتا ہے۔ لیکن اس نے بتایا کہ وہ کسی ایسے بدمعاش کو نہیں جانتا... جیرن ایک ہوٹل چلاتا ہے اور میں اسے بہت دنوں سے جانتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے اور فون کرنے لگے۔ ابھی انہوں نے امیر ارسلان اور خان جاوید عثمانی کو فون کیا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"میرا خیال ہے دروازہ کھولنے کے لیے رستم بیگ کو جانا چاہیے۔"

"بہت بہتر! میں جاتا ہوں۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تم فکر نہ کرو، اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں رہا۔"

رستم بیگ دروازہ کھولنے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک کڑک دار آواز سنائی دی۔

"پستول پھینک دو انسپکٹر! میں دروازے سے باہر ایسی جگہ کھڑا ہوں کہ تمہاری بتی میرے پستول کی زد میں ہے اور اس کے ساتھ ہی میں نے رستم بیگ کو اپنے سامنے ڈھال بنا کر کھڑا کر رکھا ہے، اب اگر تم مجھ پر کسی طرح فائر کرنے میں کامیاب ہو بھی جاؤ تو رستم بیگ مرے گا، نہ کہ میں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ پستول پھینک دو۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اس میں سے صرف ایک پستول کی نالی جھانک رہی تھی۔ وہاں سے ان کی نظریں ہٹ کر اپنے والد پر گئیں، وہ مسکرا رہے تھے، پھر انہوں نے پستول نیچے گرا دیا۔

فوراً ہی ایک لمبے قد کا آدمی رستم بیگ کو دھکیلتے ہوئے اندر

داخل ہوا، پھر اس نے اسے زور کا دھکا دیا اور وہ فرش پر جا گرا، اس کے ساتھ ہی آنے والے نے تیزی سے جھکتے ہوئے انسپکٹر جمشید کا پستول اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

انہوں نے دیکھا، اس نے آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی، ناک کے نیچے گھنی مونچھیں تھیں۔

"بہت خوب! گینڈے اور فادر کا باپ باس میک اپ میں آیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! اب ہم اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" باس نے بھی مسکرا کر کہا۔

"لیکن باس، جلد ہی یہاں امیر ارسلان اور خان جاوید عثمانی پہنچنے والے ہیں، انہیں انسپکٹر صاحب نے فون کر دیا ہے۔"

"اوہ! خیر، ان دونوں کو بھی دیکھ لیں گے۔ ہاں اب بتاؤ معاملہ کیا ہے۔"

"پہلے ہمیں کھلوا تو دو باس۔" فادر نے کہا۔

"ارے ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا.... ارے! یہ دونوں تو شتو اور مانٹو ہیں، تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو، جیل سے کب آئے۔"

"چند ہی دن ہوئے ہیں اور اب کبھی جیل نہیں جائیں گے۔" شتو نے کہا۔

"کیا مطلب!" باس چونکا۔

"اس لیے کہ جرائم کی دنیا سے نکل چکے ہیں۔"

"باس! ابھی انسپکٹر صاحب کو یہاں تک لاتے ہیں!" گینڈے نے منہ بنایا۔

"بہت خوب! پھر تو ان دونوں کو بھی برابر کی سزا ملے گی، چلو شتو اور مانٹو، انہیں کھول دو۔"

دونوں نے انسپکٹر جمشید کی طرف بے بسی کے عالم میں دیکھا، جیسے پوچھ رہے ہوں، اب کیا کریں، انہوں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں جو کہتے ہیں کیے جاؤ۔"

دونوں نے آگے بڑھ کر انہیں کھول دیا۔ ابھی ابھی بیچارے باندھ کر فارغ ہوئے تھے۔ ہاتھ پیر آزاد ہوتے ہی گینڈے نے کہا:

"ہاں باس! اب کیا کرنا ہے؟"

"ان لوگوں کو زندہ چھوڑنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئیں گے، لہٰذا یا تو انہیں یہیں ختم کر دیا جائے یا باندھ کر چھوڑ جائیں، اس صورت میں ہمیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے بھاگنا پڑے گا جب کہ ہمارے یہاں کاروبار ہیں، گھر بار ہیں۔" باس نے کہا۔

"ٹھیک ہے باس! ہم کہیں نہیں جائیں گے، یہ جائیں گے۔ تم دیکھنا تو سہی، اب میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔" گینڈے نے غرا کر کہا۔

"پہلے تو تم ان دونوں سے سمجھو، جن کی وجہ سے یہ مصیبت نازل ہوئی ہے، ورنہ انسپکٹر جمشید کے تو فرشتے بھی یہاں نہ پہنچ سکتے۔"

"غلط کہتے ہو، میں پھر بھی یہاں پہنچ جاتا، اس طرح کہ رستم بیگ اپنے گھر جانے سے باز نہ آتا اور اس کے مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گینڈے! تم نے سنا نہیں! شتو اور مانٹو تمہارے سب سے پہلے شکار ہیں۔"

"اچھی بات ہے باس!"

یہ کہہ کر گینڈا شتو کی طرف بڑھنے لگا، لیکن اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"یہ امیر ارسلان یا خان جاوید عثمانی ہوں گے، ٹھیک ہے،

انہیں بھی اندر لے آؤ، فادر تم جاؤ۔"

"بہت اچھا باس!"

فادر چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ خان جاوید عثمانی تھے، لیکن اندر کا منظر دیکھ کر وہ بھونچکے رہ گئے۔

"انسپکٹر صاحب! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"قدرت کا تماشہ! جب میں نے آپ کو فون کیا تھا تو حالات کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں تھی۔"

"اُف خدا! یہ آپ نے کہاں پھنسوا دیا۔"

"یہی وہ لوگ ہیں جو آپ کو بم کے ذریعے ہلاک کرنا چاہتے تھے، نہ صرف آپ کو بلکہ امیر ارسلان کو بھی۔"

"ارے باپ رے۔" خان جاوید نے بوکھلا کر پیٹ پر ہاتھ پھیرے۔

گینڈا جو تھوڑی دیر پہلے شتو کی طرف بڑھ رہا تھا، اب رک کر ان کی گفتگو سننے لگا تھا۔ یہ دیکھ کر باس نے غرا کر کہا۔

"گینڈے، وقت کم ہے اور کام زیادہ، تم اپنا کام جاری رکھو۔"

گینڈا ایک بار پھر شتو کی طرف بڑھنے لگا، شتو خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔

"انسپکٹر صاحب! اب میں کیا کروں۔"

"بہادروں کی طرح بڑھو، ڈر کیوں رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے اس کے سر سے بہت ڈر لگتا ہے، یہ جس کے پیٹ میں اپنا سینگ نما سر مار دیتا ہے، وہ اتنی بری طرح تڑپتا ہے کہ بس کیا بتاؤں۔ اور پھر وہ تڑپتے تڑپتے مر جاتا ہے۔" اس نے کہا۔

"شتو ٹھیک کہتا ہے، انسپکٹر صاحب اور اب تم سب لوگوں کی

موت اسی طرح مقدر ہو چکی ہے؟

"مارے گئے بھائی پھر تو!" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"شٹ اپ! بزدل نہ بنو، اگر مرنا ہی ہے تو پھر بہادری سے مرو، اس طرح تو تم فوراً اس کی زد پر آ جاؤ گے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔

بات اس کی سمجھ میں آ گئی، اس کا خوف بڑی حد تک دور ہو گیا، وہ سنبھل گیا۔ اور جب گینڈے نے تیر کی طرح اپنا سر اس کے پیٹ میں دے مارنا چاہا تو وہ بلا کی پھرتی سے اس کے راستے سے ہٹ گیا، فوراً ہی ایک بھیانک چیخ گونجی اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ گینڈے کا سینگ نما سر دراصل فادر کے پیٹ میں لگ گیا تھا۔

اور پھر انہوں نے ایک خوفناک منظر دیکھا، فادر زمین پر اس طرح تڑپ رہا تھا کہ زمین سے کئی کئی فٹ اونچا اچھل رہا تھا اور گر رہا تھا اور پھر اچھل رہا تھا۔ جب تک اس کے سانس کی آمدورفت رک نہ گئی وہ اسی طرح تڑپتا رہا۔ آخر ساکت ہو گیا۔

"گینڈے! تم نے یہ کیا کیا، فادر بہت کام کا آدمی تھا۔"

"مجھے خود بہت افسوس ہے باس! یہ میرا بہترین دوست بھی تھا۔" گینڈے نے فادر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کے الفاظ کے ساتھ ہی بیرونی دروازے پر پھر دستک ہوئی، دستک کی اس آواز نے انہیں اس طرح چونکا دیا جیسے وہ سب گہری نیند میں رہے ہوں۔

"گینڈے! دروازے پر جاؤ اور امیر ارسلان کو اندر لے آؤ۔"

باس نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد گینڈا امیر ارسلان کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔ انہوں نے سر پر سرمئی ہیٹ پہن رکھا تھا۔

مجرم سامنے

امیر ارسلان نے اندر کا ماحول دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور پھر بولے:

"انسپکٹر صاحب! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"جب میں نے آپ کو فون کیا تھا، اس وقت حالات کچھ اور تھے، مجھے افسوس ہے، اب حالات بدل گئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے آپ لوگوں کے ساتھ میں بھی پھنس گیا لیکن یہ چکر کیا ہے؟" اس نے کہا۔

"یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے آپ کو بم بذریعہ ڈاک بھیجا تھا۔ وہ نیلی ڈبیا دراصل بم تھی۔"

"ارے باپ رے!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ایسی ہی ایک ڈبیہ خان جاوید عثمانی کے گھر بھی پہنچا دی گئی تھی، وہ عین سالگرہ کے وقت پھٹی، لیکن ایک اتفاق سے وہ گھر سے باہر پھٹی، اس طرح سب لوگ بچ گئے، لیکن اب آپ لوگ بھی اور ہم بھی یہاں ان کے رحم وکرم پر ہیں۔"

"آخر کیوں، یہ سب کیا ہو رہا ہے، آخر یہ لوگ ہمیں کیوں ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔"

"ابھی تک میں یہ معلوم نہیں کر سکا.... مسٹر باس ضرور یہ بات

جانتے ہیں، لیکن وہ بھلا ہمیں کیوں کچھ بتانے لگے۔" انہوں نے عجیب لہجے میں کہا۔

"میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ مجھے ان دونوں صاحبان کو ختم کرنے کا ٹھیکہ دیا گیا ہے، یہ ٹھیکہ پانچ لاکھ روپے میں طے ہوا تھا، پانچ لاکھ روپے مجھے پہلے ہی دے دیئے تھے، لہذا میں نے اپنے ایک سمگلر دوست سے وہ دو بم خریدے اور انہیں ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا لیا، لیکن افسوس ایک بم چلا ہی نہیں تو دوسرا چلا بھی تو گھر سے باہر۔" باس نے تفصیل سے بتایا۔

"یہ بم کس طرح چلتے ہیں، کیا ان پر وقت سیٹ کیا جاتا ہے؟"

"ہاں چھتیس گھنٹے تک کا وقت اس پر سیٹ کیا جا سکتا ہے، میرے سمگلر دوست نے مجھے ان کا طریقہ بھی سمجھا دیا تھا۔ سالگرہ پارٹی میں جو بم بھیجا گیا، اس پر تو صرف آدھ گھنٹے کا وقت ہی سیٹ کیا گیا تھا، لیکن چونکہ امیر ارسلان کو ڈاک کے ذریعے بھیجا گیا، اس لیے اس پر وقت ایک دن بعد کا سیٹ کیا گیا تھا، لیکن اس میں شاید کوئی خرابی تھی، وہ نہیں چلا اور آپ کے پاس پہنچا دیا گیا، آپ سے وہ میں نے فادر کے ذریعے واپس حاصل کر لیا، کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ اپنے دوست پروفیسر داؤد کے ذریعے اس کی حقیقت معلوم کر لیں۔"

"بہت خوب! اب یہ بھی بتا دو کہ تمہیں ٹھیکہ دینے والا کون ہے۔ اسے ان دونوں حضرات سے کیا دشمنی ہے، یہ تو ہم جانتے ہیں کہ یہ دونوں سونے کے بہت بڑے تاجر ہیں، لیکن اگر اس شخص کو سونے کے تاجروں سے کوئی دشمنی ہے یا کسی اور وجہ سے وہ انہیں ختم کرانا چاہتا ہے تو کسی تیسرے تاجر پر حملہ کیوں نہیں کرایا گیا۔"

"یہ میں کچھ نہیں جانتا، مجھے تو ان دونوں کے لیے ہی کہا گیا تھا:"
باس نے کہا۔

"خیر! اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اس کیطرف
غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اچانک بڑی زور سے چونکے،
محمود، فاروق اور فرزانہ کی حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا، کیونکہ وہ نہیں
سمجھ سکے تھے کہ وہ کیوں چونکے ہیں، شاید انہیں کوئی خیال سوجھا تھا،
انہوں نے سنا، انسپکٹر جمشید کہہ رہا تھا۔
"مسٹر باس! تم اس میک اپ میں خود کو میری نظروں سے چھپا
نہیں سکتے، میں نے تمہیں اسی وقت پہچان لیا تھا جب تم اندر آئے
تھے، یہ اور بات ہے کہ میں نے تم سے ذکر نہیں کیا، اب ان باقی
لوگوں کو بھی بتا ہی دینا چاہیے کہ تم کون ہو اور اس کے بعد میں تمہیں
ایک اور خاص بات بتاؤں گا۔ ہاں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں
کہ اس وقت باس کی صورت میں جو شخص ہمارے سامنے ہے، وہ دراصل
ہوٹل البیلا کا مالک جیرن ہے۔"
"اوہ! ارے۔" شوکی، مانٹو، محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے
ایک ساتھ نکلا۔
جیرن کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا وہ کھا جانیوالی نظروں
سے انسپکٹر جمشید کو گھورنے لگا، ادھر وہ کہہ رہے تھے۔
"اور یہی وجہ ہے کہ جب میں تم سے کسی مفلر والے بدمعاش
کے بارے میں معلوم کرنے تمہارے ہوٹل گیا تو تم نے فوراً کہہ دیا کہ
کسی ایسے بدمعاش کو نہیں جانتے جو مفلر لپیٹتا ہو، تم بتا بھی کس طرح
سکتے تھے، گینڈا تو تمہارا کارکن تھا اور اس سے تو تم اس سلسلے
میں کام لے رہے تھے۔"

یہ کہکر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ کمرے میں موت کی سی
خاموشی چھا گئی۔ ہر کوئی جیرن کو تک رہا تھا۔ اس وقت جیرن
سانپ کی طرح پھنکارا،
"اب تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر اس گھر سے نہیں نکل سکتا۔"
"کیا تمہارے ساتھی بھی نہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔
"ہاں! میرے ساتھی ضرور میرے ساتھ جائیں گے۔" اس نے کہا۔
"ذرا یہ بتا دو کہ یہاں تمہارے ساتھی کون کون ہیں۔" انسپکٹر
جمشید کا لہجہ حد درجہ عجیب تھا۔
"میں اور گینڈا اور کون، خاور تو مر ہی چکا ہے۔"
"تم غلط کہہ رہے ہو جیرن.... یہاں ایک شخص اور موجود
ہے، جسے تم اپنے ساتھ زندہ لیجانا پسند کرو گے۔"
"کیا مطلب!" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز
میں نکلا۔ ان کی آنکھیں پھیل گئیں، کیونکہ انسپکٹر جمشید نے ایک عجیب
بات کہی تھی۔
"مطلب یہ کہ جب میں جیرن سے ملنے کے لیے اس کے کمرے میں
گیا تھا تو میں نے اس کی میز پر ایک چیز رکھی دیکھی تھی.... اس چیز
کا مطلب یہ ہے کہ چیز کا مالک اس وقت وہیں موجود تھا، لیکن یا تو
وہ لیٹرین میں گیا ہوا تھا، یا تم نے میرے قدموں کی چاپ سن
کر اسے خود باتھ روم میں چلے جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔ یعنی جب
میں نے تم سے مفلر والے کے متعلق بات کی، اس وقت وہ آدمی
وہیں کہیں موجود تھا اور وہ اب اس کمرے میں بھی موجود ہے،
لہٰذا تم اسے موت کے گھاٹ نہیں اتارو گے۔ تم اسے زندہ اپنے
ساتھ لیجانا پسند کرو گے، کیونکہ تم نے اس سے پانچ لاکھ روپے

لیے ہیں، کیوں ٹھیک ہے نا مسٹر امیر ارسلان۔"

"نہیں!" امیر ارسلان کے منہ سے نکلا۔

"اب انکار کرنے کی گنجائش نہیں، ساری بات ایک سیکنڈ میں سمجھ میں آ گئی ہے، تم سونے کے سب سے بڑے تاجر ہو، تمہارے بعد اگر کسی کا نمبر آتا ہے تو خان جاوید عثمانی صاحب کا۔ شاید یہ تم سے آگے نکلنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہوں گے یا ان کے ہوتے ہوئے تم سونے کی تجارت پر پوری طرح نہیں چھا سکتے ہو گے یا اس قسم کی اور کوئی بات ہو گی۔ لہٰذا تم نے خان جاوید عثمانی کو ختم کرنے کا پروگرام بنا لیا، کیوں مسٹر جاوید... کیا اس قسم کی کوئی بات ہے؟"

"ہاں! ہم دونوں زبردست قسم کے کاروباری رقیب ہیں۔" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"بس ٹھیک ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے کاروباری دشمن کو ختم کرنا چاہتے تھے اور خود کو شک سے بچانے کے لیے ایک بم خود کو بھی ڈاک کے ذریعے بھجوا دیا، ظاہر ہے کہ اس میں وقت سیٹ کیا ہی نہیں گیا تھا اور اسی لیے اسے اُڑانا ضروری ہو گیا تھا، کیونکہ پروفیسر داؤد اسے چیک کر کے مجھے یہ بتا دیتے کہ اس پر تو ٹائم سیٹ کیا ہی نہیں گیا اور اس طرح امیر ارسلان کی قلعی کھل جاتی، سارا راز ظاہر ہو جاتا، لیکن راز تو اب بھی ....؟"

اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی، پستول جیرن کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اُچھلا، یہ کارنامہ فرزانہ نے انجام دیا تھا، وہ اب تک غیر محسوس طور پر اس کی طرف کھسکتی رہی تھی، جیرن اس کی طرف سے بے خبر تھا، لہٰذا جب فرزانہ کا ہاتھ چلا تو پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ادھر پستول اچھلا، ادھر انسپکٹر جمشید اسے دبوچنے کے لیے آگے بڑھے، لیکن ان سے پہلے امیر ارسلان نے پستول کیچ کر لیا اور تیز آواز میں بولا:

"تم لوگوں کا یہ وار بھی خالی گیا۔ انسپکٹر جمشید تم بہت چالاک ہو، بہت ذہین ہو، تم نے ذرا سی بات سے مجھے پہچان لیا، یہ ایک اتفاق تھا کہ میں اس وقت جیرن کے کمرے میں تھا جب تم وہاں آئے، قدموں کی آواز سن کر جیرن نے مجھے فوراً باتھ روم میں چلے جانے کے لیے کہا، کیونکہ ہوٹل میں جیرن سے ملنے جو کوئی بھی آتا ہے، اجازت لے کر آتا ہے، بغیر اجازت آنے والا غلط آدمی ہو سکتا تھا، اس لیے جیرن نے مجھے اٹھا دیا، خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا، پستول اگر جیرن کے ہاتھ میں نہیں تو میرے ہاتھ لگ گیا، لہٰذا تم سب ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"ارے ارے، اس کے سر پر وار نہ کرنا۔" انسپکٹر جمشید امیر ارسلان کی کمر کی طرف دیکھ کر اچانک بولے۔ اس وقت امیر ارسلان کی کمر دروازے کی طرف تھی۔ وہ بوکھلا کر مڑا، انسپکٹر جمشید کے لیے اتنا ہی موقع کافی تھا، دوسرے ہی لمحے پستول ان کے ہاتھ میں نظر آیا، ساتھ ہی انہوں نے جیرن کے ہاتھ پر فائر جھونک مارا کیونکہ اس نے اپنی جیب سے ان کے والا پستول نکالنے کی

کوشش کی تھی۔ اس کے ہاتھ سے خون ٹپ ٹپ گرنے لگا۔

"چلو محمود! اکرام کو فون کر دو کہ پولیس لے کر آ جائے۔" انہوں نے کہا۔

"خس کم جہاں پاک، بہت ہی حیرت انگیز طریقے سے ختم ہوا یہ کیس تو، ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ اس کروٹ بیٹھے گا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"یہ کیس ہے، اونٹ نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو، کیس تو بیٹھ ہی نہیں سکتا، کروٹ کا سوال کہاں پیدا ہو گا، ویسے کم از کم یہ غلط نہیں ہے کہ اس کیس نے کروٹیں بہت بدلی ہیں۔"

فاروق کہتا چلا گیا اور ان کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔